تفسیر
آیتِ کریمہ

تالیف
شیخ الاسلام الامام ابنِ تیمیہ علیہ الرحمۃ

تقدیم و تنقیح
...د احمد غضنفر

516

مکتبہ ابن تیمیہ
لاہور پاکستان

Marfat.com

تفسیر
آیت کریمہ

تالیف

شیخ الاسلام الامام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ

تقدیم و تنقیح

محمود احمد غضنفر

مکتبہ ابن تیمیہ

لاہور پاکستان

Marfat.com

39401

نام کتاب : تفسیر آیت کریمہ

مؤلف : شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ

مترجم : مولانا عبدالرحیم حفظہ اللہ

تقدیم : محمود احمد غضنفر

سرورق وعنوانات : عبدالرشید قمر

ناشر : مکتبہ ابن تیمیہ

مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس۔لاہور

مفت ملنے کا پتہ

مکتب الدّعوۃ الاسلامیۃ

۵۸۔ ابوبکر بلاک نیو گارڈن ٹاؤن

لاہور : پاکستان

Marfat.com

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
پہلا باب دعائے یونس علیہ السلام کی معنوی مناسبت			
دعا بمعنی عبادت اور سوال	۲۲	مقام فنا اور دعوائے محویت	۳۲
دعا اور صلوٰۃ کا تسمیہ	۲۴	آیتِ کریمہ کی خاصیت	۳۴
سائل اور داعی	۲۶	سوال کی مختلف صورتیں	۳۵
عبادت کا نصب العین	۲۸	حضرت سفیانؒ سے سوال وجواب	۳۷
دوزخ اور جنت	۲۹	پیرایۂ حسنِ ادب	۳۹
دیدارِ خداوندی اور علماءِ کرام	۳۰	جامع ترین دعاء	۳۹
عزیمت کا اظہار	۳۱	قرآنی دعاؤں کا خاصہ	۴۰
دوسرا باب درجہ پذیرائی دعائے یونس علیہ السلام			
دعا کا مخصوص انداز	۴۱	"لا الہ الا انت" کا مفہوم	۴۵
رفعِ تکلیف کا حقیقی ذریعہ	۴۲	لفظ "سبحانک" کا مفہوم	۴۶
عظمتِ الٰہی کا اعتراف	۴۲	صدورِ ظلم کا عدمِ امکان	۴۷
استفتاحِ نماز کی دعاء	۴۳	دعائے یونسؑ کی فضیلت	۴۸
سید الاستغفار کی فضیلت	۴۴	محامد ذات کی محبوبیت	۴۹

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
امام رازیؒ کا نظریہ	۴۹	مدحت طرازی بدرجۂ غایت	۵۲
عظمت وکبریائی کا اظہار	۵۰	اظہارِ حال واعترافِ قصور	۵۲
اسمائے حسنٰی اور کلمات چہارگانہ	۵۲	ایک دلچسپ توجیہ	۵۳

تیسرا باب — خاصیت وحکمتِ دعائے یونس علیہ السلام

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
سبب اور ازالۂ مصیبت	۵۴	اخلاص اور علوشانِ الوہیت	۶۷
تنگی اور اندیشے سے نجات	۵۵	پابندیٔ احکام واطاعت	۶۷
خیر وبرکت کا سرچشمہ	۵۶	ہوائے نفس کو معبود ٹھہرانا	۶۷
حضرت علیؓ کا قول	۵۶	اخلاص حضرت ابراہیم خلیل اللہ	۶۸
امید وبیم کا ملجا وماویٰ	۵۶	مخلصین اور شیطانی تسلط	۶۸
موجب اثرات اسباب	۵۷	اخلاصِ کلمۂ توحید	۷۰
کامرانی کی حقیقی شاہراہ	۵۹	دخولِ جنت از قول "لا الٰہ الا اللہ"	۷۰
توکل علی اللہ اور شرک	۵۹	تجدیدِ اخلاص کا پروگرام	۷۰
مخلوق پر بھروسہ	۵۹	ہلاکت آفرینیٔ شیطان	۷۰
مشرک مرعوب اور مومن مامون	۶۱	خواہشِ نفس کی پیروی	۷۱
جنگِ بدر اور اسبابِ فتحمندی	۶۲	توحید اور استغفار کی مناسبت	۷۲
صبر اور توکل کا موازنہ	۶۴	مجلس کے خاتمہ کی دعا	۷۴
ابوسعید خدریؓ کی روایت	۶۴	ادعیہ آخر وضو اور نماز	۷۴
امام احمدؒ بن حنبل کا توکل	۶۵	تمام ادیان کا نچوڑ	۷۶
ارشادِ نبوی بروقتِ تکلیف	۶۶	توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ الوہیت	۷۶

Marfat.com

مضمون	صفحہ
الحب للہ والحب مع اللہ کا فرق	۷۹
ترکِ محظورات اور بجاآوریٔ مامورات	۷۹
چوتھا باب — اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول	
رسولوں کی بعثت کا مقصد	۸۳
مامور من اللہ اور اولی الامر	۸۴
دین کا مخلص	۸۴
غلو فی التوحید	۸۵
پیری مریدی کا جوش جنون	۸۶
ایمان اور اسلام کا مفہوم	۸۷
ہر مسلم مومن نہیں	۸۹
حقیقت ایمان، اسلام اور احسان	۸۹
منقاد و مطیع کی تشریح	۹۱
حواس و ادراک سے بالاتر امور	۹۱
مومن اور کافر کی شناخت	۹۳
انکارِ شیطانی کی نوعیت	۹۴
فرعون کا انکار	۹۴
علم اور عمل کی ناموافقت	۹۵
تصدیقِ قلبی اور عملِ قلب	۹۶
نقصِ یقین ابی طالب	۹۷
ضرورتِ ایمان اور توحید	۹۸
توکل اور عبادت کا مفہوم	۱۰۰
معانی عموم و خصوص	۱۰۱
مفہوم محبت، توکل اور خوف	۱۰۲
نام نہاد صوفیہ کو نصیحت	۱۰۵
اصلاحِ حال کی راہ	۱۰۶
سالکانِ راہ کی کوتاہیاں	۱۰۷
امراضِ ریا و عجب کا علاج	۱۰۷
جھوٹے پیروں کا فرقہ	۱۰۸
عقیدۂ اہل توحید	۱۰۹
بندہ پیغمبر اور بادشاہ پیغمبر	۱۱۰
فقہاء کی غلط توجیہیں	۱۱۱
آنحضرتؐ کا اجتہاد اور حکم صریح	۱۱۴
صوابدیدِ رسولؐ اور حکمِ الٰہی	۱۱۵
روایت عدی بن حاتم	۸۱
تعظیمِ مشائخ میں غلو	۸۱

Marfat.com

مضمون	صفحہ
پانچواں باب دعائے یونسؑ اور توحیدِ الوہیت	
داعیہ تخاطب الٰہی	۱۲۰
اقرارِ گناہ کی تقدیم و تاخیر	۱۲۰
خدا کا سچا بندہ اور حقیقی مومن	۱۲۲
چھٹا باب عصمت انبیاء علیہم السلام	
انبیاء علیہم السلام اور حفاظتِ الٰہی	۱۲۹
اختلاف علماء اور القائے شیطانی	۱۳۰
اہل حدیث کا عقیدہ	۱۳۱
صداقتِ نبوت کی مستحکم دلیل	۱۳۲
حضرت عائشہؓ کا قول	۱۳۲
سچے اور جھوٹے کی پہچان	۱۳۳
انبیاء اور تبلیغِ رسالت کے علاوہ کام	۱۳۴
منافی کمال اور فضیلتِ توبہ	۱۳۴
مرضِ خود بینی کی سزا	۱۳۶
انحراف مسلمہ اصول اور فقدانِ ایمان	۱۳۷
انبیاء علیہم السلام کا قصور اور دورِ از کار تاویلیں	۱۳۷
حصولِ سعادت کا صحیح نسخہ	۱۳۸
قصورِ انبیاءؑ اور توبہ	۱۳۹

مضمون	صفحہ
ایمان اور عاشقانِ رسول	۱۲۳
محبتِ الٰہی کا جذبہ	۱۲۵
حضرت امام احمدؒ بن حنبل کا قول	۱۴۲
قصد اور ترکِ یوسفؑ	۱۴۳
ایک غلط روایت	۱۴۳
مفسرین کی غلطی	۱۴۴
حضرت یوسف علیہ السلام	۱۴۲
ھمت بہ و ھم بھا	۱۴۲
ملائکہ کو انبیاءؑ پر فضیلت	۱۴۸
غلط فہمی کی وجہ	۱۴۸
فضیلتِ کمال باعتبارِ ماٰل	۱۴۸
ابن تیمیہؒ کا قول	۱۴۹
بیانِ فضیلت و کمال	۱۴۷
رجوع الی اللہ کا نتیجہ	۱۴۷
بنیادِ فضل و کمال	۱۵۱

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
ساتواں باب ذریعہ محبوبیتِ خداوندی			
ذریعہ محبوبیت خداوندی	۱۵۴	مفسرین کی غلط تاویلیں	۱۷۴
افضلیتِ اعمال	۱۵۵	فرقہ جہمیہ اور باطنیہ کی توجیہ	۱۷۴
دوستی اور دشمنی کا اصول	۱۵۹	غلط توجیہ کی ایک مثال	۱۷۴
معیارِ محبوب اللہ	۱۶۱	وجوہاتِ سبعہ	۱۷۴
اہل تشیع کے عقیدہ کی تردید	۱۶۲	مقبولیتِ توبہ اور اعترافِ گناہ	۱۸۰
قبل از نبوت معصومیٔ انبیاء	۱۶۲	مومن موحد کی مغفرت	۱۸۰
تاخیر و توقف قابلِ پاداش	۱۶۳	ناقابلِ بخشش گناہ	۱۸۰
بطلانِ عقیدہ باطلہ	۱۶۳	مشرک و موحد	۱۸۱
بلا استثناء فرضیت توبہ	۱۶۶	معانی لفظِ مغفرت	۱۸۲
حصولِ کمال کا ذریعہ	۱۶۶	تائب اور تارک میں فرق	۱۸۲
موردِ عنایت الٰہی	۱۶۷	مغفرت کا یقینی ذریعہ	۱۸۴
استغفار کی دعائیں	۱۶۹	گناہوں کا استحضار اور مقبولیتِ توبہ	۱۸۶
سو سو بار توبہ	۱۶۹	ترک اور ارتکابِ گناہ	۱۸۶
تکبیرِ تحریمہ اور قرارت کی درمیانی دعاء	۱۷۰	پہلا اصول	۱۸۶
آغازِ نماز کی دعا	۱۷۱	ابو ہاشم کی دلیل کا جواب	۱۸۷
سجدے کی دعا	۱۷۱	معتزلہ اور اہلِ کبائر	۱۸۷
سواری کی دعائے تلقین	۱۷۱	سلف کا اعتقاد	۱۸۸

Marfat.com

مضمون	صفحہ
قبولیتِ اعمال اور اتقار	۱۸۸
مقبولیت کے لیے ایمان ناگزیر ہے	۱۸۹
بخشش بوجہ قبولِ اسلام	۱۹۰
ترکِ ارتکاب پر جزا	۱۹۱
اعمالِ جاہلیت کا مواخذہ	۱۹۱
توبہ مطلق اور توبہ عام خاص	۱۹۲
کونسا گناہ عام توبہ سے نہیں بخشا جاتا	۱۹۳
عام توبہ اور مجمل توبہ	۱۹۳
صفت حقائق ایمانیہ	۱۹۳
اللہ اور رسول کی محبت	۱۹۴
عقوبت ٹل جانے کے اسباب	۱۹۵
تعلق باللہ توڑنے کا رشتہ	۱۹۶
مفہومِ توحیدِ ربوبیت	۱۹۶
افعالِ اختیاریہ میں عجزِ انسانی،	۱۹۶
سب سے بڑی ذلت	۱۹۷
عرفانِ الوہیت	۱۹۸
نزولِ مصائب نعمتِ عظمیٰ	۲۰۱
ہجومِ مشکلات اور حلاوتِ مناجات	۲۰۱
خاتمۃ الکتاب	۲۰۲

Marfat.com

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ الحرانی رحمۃ اللہ

شجرۂ نسب | تقی الدین ابوالعباس احمد بن شہاب الدین ابوالمحاسن عبدالحلیم بن مجدالدین ابوالبرکات عبدالسلام بن ابومحمد عبداللہ بن ابوالقاسم الخضر بن علی بن عبداللہ یہ خاندان، خاندان ابن تیمیہ کے نام سے مشہور ہے۔

وجہ تسمیہ | امام صاحب علیہ الرحمۃ کی دادی بہت بڑی واعظہ تھی، ان کا نام تیمیہ تھا، اسی مناسبت سے اس خاندان کا نام "خاندانِ ابن تیمیہ" پڑ گیا۔

ولادت | امام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ کی ولادت ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ کو حرّان نامی بستی میں ہوئی۔

ابتدائی حالات | چھ سال کی عمر تک امام صاحب اسی بستی میں مقیم رہے، ابھی عمر کے ساتویں سال میں تھے کہ تاتاریوں نے اس بستی پر غارت گری کی۔ ان کے ظلم وستم سے تنگ آکر یہاں کے باشندوں نے سکونت ترک کر کے ادھر ادھر پناہ لینا شروع کی۔ خاندانِ ابن تیمیہ کے کچھ لوگ ہجرت کر کے دمشق کی طرف بڑھے۔ لیکن راستہ انتہائی پرخطر تھا۔ نہ امن میسر تھا نہ سکون۔ اس ذہنی پریشانی کے ساتھ ساتھ راستہ کی دشوار گزاری اور زیادہ تکلیف کا باعث تھی، رات کی تاریکیوں میں سفر جاری رکھنے والے یہ لوگ ایک خانوادۂ علم کے افراد تھے۔ ہر آن یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں دشمن سر پر نہ پہنچ جائے، لیکن اللہ نے دستگیری فرمائی اور قافلہ ظالموں اور سفاکوں سے بچتا بچاتا منزل مقصود تک پہنچ ہی گیا۔

تعلیم وتربیت | چونکہ امام تقی الدین ابن تیمیہ کا خاندان علم میں ایک ممتاز مقام رکھتا

Marfat.com

تھا۔ اس علمی گہوارہ میں آپ نے آنکھ کھولی۔ بچپن ہی سے علم کی طرف راغب ہوگئے چھوٹی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا، شوقِ تلاوت کا یہ عالم تھا کہ جیل کی زندگی میں ۸۰ سے زیادہ قرآنِ مجید ختم کیے۔ قرآن مجید ختم کر لینے کے بعد حدیث اور لغت کی طرف متوجہ ہوئے، احکامِ فقہ کی معرفت حاصل کی۔ اور ان کا بڑا حصہ ازبر کر لیا۔

امام صاحب کے والد شیخ المحدیث کے مقام پر فائز تھے، چنانچہ امام صاحب نے صحیح بخاری، مسلم، مسند امام احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دار قطنی کی بار بار سماعت کی، حدیث میں سب سے پہلے کتاب جو امام صاحب نے حفظ کی وہ امام حمیدی کی کتاب الجمع بین الصحیحین ہے۔ امام صاحب کے بعض معاصرین کا بیان ہے کہ آپ نے جن شیوخ سے سماعت کی، ان کی تعداد ۲۰۰ سے متجاوز ہے۔ حدیث کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم وفنون کے حصول پر بھی توجہ مبذول فرمائی۔ چنانچہ علوم ریاضی میں خاصی دسترس حاصل کی۔ علوم عربیہ کی طرف خاص طور پر زیادہ توجہ کی۔ یہ علوم تو اس طرح حاصل کیے جیسے یہی ان کا منشا اور مقصد تھا۔ چنانچہ عربی زبان کا بہت سا کلام نظم اور نثر زبانی حفظ کر لیا۔ جنگ و پیکار کی تاریخ پر عبور حاصل کیا۔ مسلمانوں کے عہدِ زریں کے حالات وکوائف کا خوب اچھی طرح مطالعہ کیا، عروج وزوال کی داستانیں پڑھیں اور ان کے اسباب وعلل کو گہری نظر سے دیکھا، فن نحو میں خصوصی دسترس حاصل کی، کتاب سیبویہ آپ کو زبانی یاد تھی، ان علوم وفنون کے ساتھ فقہ حنبلی کا درس بھی جاری تھا، ایک طرف تو یہ کیفیت تھی کہ امام صاحب علوم وفنون میں غیر معمولی طور پر مصروف ومنہمک تھے، اور دوسری طرف یہ عالم تھا کہ دل وجان سے تفسیرِ قرآن کے اسرار ورموز کی گرہ کشائی میں لگے ہوئے تھے قرآن فہمی کے لیے تمام متعلقہ علوم وکتب کھنگال ڈالیں۔ ایک ایک حرف کا پوری توجہ سے مطالعہ کیا۔

Marfat.com

امام صاحب کی ہمہ گیری اور جامعیت مختصر یہ کہ امام ابن تیمیہؒ نے اپنے ذہن ودماغ کی تربیت بہت عمدہ طور پر کی، انہوں نے وہ تمام علوم حاصل کیے جو ان کے زمانے میں رائج تھے، علم کا کوئی ایسا سرکزنہ تھا جس کے دروازے پر دستک نہ دی ہو۔ امام صاحب کے ایک ہم عصر علامہ کمال زملکانیؒ نے ان کے بارے میں کیا خوب کہا ہے:۔

"اللہ تعالیٰ نے امام ابن تیمیہؒ کے لیئے علوم کو اس طرح کر دیا تھا، جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا، جب کسی علم وفن کے بارے میں ان سے سوال کیا جاتا تو دیکھنے سننے والوں کو ان کی رائے سن کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس فن کے سوا امام صاحب کچھ اور نہیں جانتے اور یہ کہ اس فن میں امام صاحب کا کوئی حریف ومقابل نہیں۔ ہر مکتب خیال کے فقہاء کرام جب آپکے دربارِ علم میں حاضر ہوتے تھے تو خود اپنے مسلک کے بارے میں ان کے ہاں ایسی باتیں حاصل کرتے تھے، جن سے اب تک وہ خود ناواقف تھے اور یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی شخص سے وہ مناظرہ کریں اور لاجواب ہو کر رہ جائیں۔ وہ ہر علم پر ماہرانہ گفتگو کرتے تھے خواہ وہ شرع ودین سے تعلق رکھتا ہو — یا دنیاوی فنون سے متعلق ہو، جس علم پر بھی گفتگو کرتے تھے، معلومات سے اس علم کے ماہروں کو بھونچکا کر دیتے تھے۔"

کیا امام ابن تیمیہؒ عرب تھے؟ مورخین نے کسی ایسے قبیلے کا ذکر نہیں کیا، جسے خاندانِ ابن تیمیہؒ کی جڑ قرار دیا جا سکے، وہ حران شہر کے رہنے والے تھے، اسی نسبت سے امام صاحب حرانی کہلائے، مورخین نے قبائلِ عرب میں سے کسی قبیلہ کی طرف امام صاحب کو منسوب نہیں کیا، اس سے ثابت ہوا کہ امام موصوف عربی نہیں

Marfat.com

تھے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ وہ کرُدی تھے۔ کرد قوم بڑی بہادر، باحوصلہ اور عالی ہمت قوم ہے۔ اس قوم کے کردار و سیرت میں قوت کا رنگ بھی جھلکتا ہے اور آتش خوئی کا بھی اور یہ تمام صفات امام صاحب میں واضح اور نمایاں طور پر موجود تھیں اگرچہ ان کی نشو ونما ایسے لوگوں میں ہوئی تھی جو علم و فضل، دانش و بینش، تحقیق و تدقیق اور غور و فکر کے مرد میدان تھے۔

محرابِ علم سے میدانِ جہاد کی طرف امام ابن تیمیہؒ سکون سے اپنے فرائض کی بجا آوری میں مصروف تھے، وہ مدرسہ میں درس دیتے اور تحقیق و تدقیق کے جوہر دکھاتے، مسجد میں وعظ و ارشاد کی محفلیں برپا کر کے سننے والوں کے قلوب میں سوز و گداز کی کیفیت پیدا کرتے۔ وعظ و ارشاد کی مجلس میں ان کا بیان آبِ کوثر کی طرح پاک اور صاف ہوتا۔ لوگوں کے سامنے وہی دین پیش کرتے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ لیکن اس درس و تدریس کے ساتھ ساتھ جذبۂ جہاد اسی طرح قائم رہا۔ حق و صداقت کے لیے سینہ سپر رہتے۔ جو بات خلافِ حق نظر آتی اس کے خلاف ڈٹ جاتے، حکام و عمال کے پاس پہنچتے اور فریضۂ تبلیغِ حق سے عہدہ برآ ہوتے۔ امام موصوف علیہ الرحمۃ بیک وقت صاحبِ علم و قلم اور صاحبِ سیف مجدد تھے۔

عشقِ رسولؐ کی چنگاری ۶۹۳ھ میں باوثوق ذرائع سے امام صاحب تک یہ خبر پہنچی کہ ایک نصرانی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہے پھر وہ رائے عامہ کے اشتعال سے خوف زدہ ہو کر ایک بدوی کے گھر پناہ گزیں ہو گیا ہے۔ اس نے عوام کے جوشِ غضب سے اس کی حفاظت کی۔ امام صاحب کے لیے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی۔ جس پر سکوت کسی طرح بھی اختیار نہ کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ وہ دمشق کے نائب السلطنت کے پاس پہنچے اور اس سے ماجرا بیان کیا۔ اس نے نصرانی کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ وہ حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ وہ بدوی بھی تھا جس نے اسے

Marfat.com

پناہ دے رکھی تھی، بدوی نے مظاہرہ کرنے والوں کے خلاف دشنام طرازی شروع کر دی۔ لوگ مشتعل تو تھے ہی، انہوں نے نصرانی بدوی اور اس کے ساتھیوں پر سنگ باری شروع کر دی۔ حاکم دمشق نے امام صاحب سے، اس الزام میں کہ انہوں نے لوگوں کو نصرانی کے خلاف بھڑکا کر امن عامہ کو درہم برہم کیا تھا، تشدد کا برتاؤ کیا اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ درس و تدریس کی پابندیوں نے بھی اس مردِ جلیل کو دین و مذہب کے مسائلِ عامہ سے مستغنی اور بے پرواہ نہیں کر رکھا تھا، وہ دین کی حمایت و نصرت کے لیے کسی سے بھی ٹکر لینے سے جھجک محسوس نہیں کرتے تھے، وہ درس کے حلقہ سے اٹھ کر میدان میں آ نکلے اور دشنامِ رسول کے مجرموں کے خلاف عوام کی رہنمائی کرتے اور اس سلسلہ میں جو تکلیف، پریشانی یا مصیبت آتی اس کا مردانہ وار مقابلہ کرتے۔

تصنیفات شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی عمر سترہ سال کی تھی جب انہوں نے قلم سنبھالا۔ پینتالیس سال کی عمر تک یہ قلم پورے زور سے رواں دواں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حافظہ، محیر العقول ذکاوت اور ندرت افزا فہم سے نوازا تھا، سرعتِ قلم کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات ایک ہی دن میں علمی اور تحقیقی رسالہ مرتب کر دیتے، لوگ مشکل مسئلے لے کر آجاتے اور امام موصوف جواب میں کئی کئی صفحات لکھ دیتے، ان حالات میں کیسے صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زندگی میں آپ نے کیا کچھ لکھا اور اگر آپ کی تمام کتب کو مرتب کیا جائے تو کتنے ہزار صفحات بن جائیں، یہی اور اس قسم کی دوسری ممتاز خصوصیات تھیں جن کی بناء پر آپ اپنے عہد میں مرجع عالم شخصیت قرار پائے تھے اور اگرچہ وفات پر نویں صدی گزر رہی ہے تاہم آپ کی ہر تحریر کو آج بھی جو بلند مقام حاصل ہے اس کی مثال نہ پہلے ملتی ہے اور نہ اب۔ حافظ ذہبی علیہ الرحمۃ نے امام موصوف کی زندگی ہی میں ایک مرتبہ تحریر فرمایا کہ آپ کی تصانیف

Marfat.com

کی تعداد پانچ سو تک جا پہنچی ہو تو بعید نہیں" اس کے بعد غالباً بعد از وفات لکھا کہ:۔

"ہزار سے اوپر تعداد ہو گئی ہے"

تصنیفات کے نام اگر دیکھنا مقصود ہوں تو "حیاتِ شیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ" شائع کردہ مکتبہ سلفیہ لاہور کی طرف مراجعت فرمائیں۔ بلاشبہ امام صاحب کی زندگی پر یہ ایک مبسوط کتاب ہے۔ میں نے بھی اسی کی خوشہ چینی کر کے امام صاحب کی زندگی کی چند جھلکیاں قارئین کی خدمت میں پیش کی ہیں۔

تلامذہ امام ابن تیمیہؒ کے دور میں ہمیں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو شاگردوں کی زیادتی میں شیخ تقی الدین ابن تیمیہؒ کا ہم پایہ ہو۔ مصر و شام میں اور پھر مصر کے اندر اسکندریہ اور قاہرہ کے مابین ان کے شاگردوں کی تعداد حدِ شمار سے خارج تھی، لیکن مخصوص شاگرد جنہوں نے صحیح معنوں میں آپ کی جانشینی کے فرائض سرانجام دیے، ان کے نام درج ذیل ہیں:۔

نمبر شمار	نام	ولادت	وفات
۱	حافظ ابن قیم الجوزی علیہ الرحمۃ	۶۹۱ھ	۷۵۱ھ
۲	حافظ ابن الہادی علیہ الرحمۃ	۷۰۵ھ	۷۴۴ھ
۳	حافظ ابن کثیر علیہ الرحمۃ	۷۰۱ھ	۷۷۴ھ
۴	حافظ علامہ ذہبی علیہ الرحمۃ	۶۷۳ھ	۷۴۸ھ
۵	محمد بن مفلح علیہ الرحمۃ	----------	۷۶۳ھ
۶	ابن قاضی الجبل علیہ الرحمۃ	----------	۷۷۱ھ
۷	ابو حفص ابزار علیہ الرحمۃ	----------	۷۴۹ھ
۸	ابن سعد اللہ حرانی علیہ الرحمۃ	----------	۷۴۹ھ
۹	ابن الوردی علیہ الرحمۃ	----------	۷۴۹ھ
۱۰	الدباہی الزاہد علیہ الرحمۃ	----------	۷۱۱ھ
۱۱	قاضی ابن فضل اللہ علیہ الرحمۃ	----------	۷۴۹ھ

Marfat.com

یہ وہ کبار شاگرد ہیں جنہوں نے امام ابن تیمیہ سے فیضِ علم حاصل کیا اور صحیح معنوں میں آپ کے جانشین بنے۔

سفرِ آخرت ہنگامہ خیز زندگی گزارتے ہوئے بالآخر وہ وقت آ ہی گیا، جو ہر ذی روح کی انتہا کہلاتا ہے، اللہ سبحانہٗ نے امام صاحب کی روح کو اپنے حضور طلب کر کے اپنی خوشنودی اور رضا کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔

۲۰ ر ذوالقعدہ ۷۲۸ھ / ۱۳۲۷ء کو امام صاحب اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ امام صاحب کے بھائی زین الدین عبدالرحیم کا کہنا ہے کہ پانچ ماہ کی مدت میں ہم دونوں نے اسّی قرآن مجید بطور دَور ختم کیے، تین پارے روزانہ کا معمول تھا۔ ۸۱ ویں مرتبہ شروع کر کے سورۃ القمر کی آیت اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ○ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ○ تلاوت کر رہے تھے کہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے خالق حقیقی سے جا ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کم و بیش بیس دن بیمار رہے۔ لیکن جیل سے باہر عام طور پر بیماری کی اطلاع نہیں ہوئی۔ سوموار کی رات ۲۰ ر ذیقعدہ کو سحری کے وقت انتقال ہوا، خبر وفات کا اعلان قلعہ (جس میں آپ محبوس تھے) کے مینار سے علی الصباح کر دیا گیا۔ اس ناگہانی خبر سے کہرام مچ گیا۔ سارے شہر میں صفِ ماتم بچھ گئی، بازار بند ہو گئے، دوکانوں پر کھانا تک اس دن نہیں پکا۔ زیارت کرنے والے لوگوں کا ہجوم قلعہ کے پاس ہو گیا، قلعے کا دروازہ کھول کر داخلے کی عام اجازت دیدی گئی، علماء، وزراء امراء، عوام، اقارب سب امام صاحب کے پاس آتے تھے اور زار و قطار روتے تھے۔ زیارت کے لیے پہلے مرد آئے پھر عورتیں آئیں، غسل کے وقت سب لوگ چلے گئے۔ صرف غسل دینے والی علماء و اعیان کی ایک جماعت رہ گئی، جن میں مشہور اور جلیل القدر محدّث اور آپ کے خاص معتقد ابوالحجاج بھی تھے۔

Marfat.com

غسل کے بعد جنازہ اٹھایا گیا، ہجوم بہت زیادہ ہوگیا۔ قلعہ میں پہلی نمازِ جنازہ شیخ محمد بن تمام نے پڑھائی۔ اس کے بعد جنازہ جامع اموی میں لایا گیا۔ نمازِ ظہر کے بعد جنازہ کی نماز پڑھی گئی جس کی امامت نائب الخطابہ شیخ علاؤالدین بن الحراط نے کرائی۔ پھر وہاں سے جنازہ اٹھا، ہجوم اس قدر تھا کہ شہر کا شہر اُمڈ کر آگیا تھا، عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ معذوروں کے سوا سب ہی اہلِ شہر جنازہ کے ساتھ شامل تھے۔ آنکھیں اشکبار تھیں۔ مدحیہ و دعائیہ کلمات زبانوں پر تھے، ہر ایک فرطِ عقیدت سے جنازہ سے مس کرنا چاہتا تھا۔ شدّتِ اژدحام کی وجہ سے جنازہ کی حفاظت و انتظام کے لیے فوج کو جنازہ گھیرے میں لینا پڑا۔ ہجوم لحمہ بہ لحمہ بڑھتا ہی گیا، دمشق سے باہر ایک وسیع میدان میں جنازہ رکھ دیا گیا۔ تیسری نمازِ جنازہ علامہ زین الدین عبدالرحمٰن نے پڑھائی اور عصر کے قریب اس آفتابِ علم اور مجدّدِ ملّت کو اپنے بھائی شرف الدین عبداللہ کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔

جنازہ پر تقریباً دو لاکھ کی حاضری کا اندازہ کیا گیا ہے۔ ۱۵ ہزار عورتوں کا تخمینہ اس کے علاوہ ہے۔ دمشق کی تاریخ میں اس قسم کے جنازہ کی مثال نہیں ملتی۔

ع آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

مَحمُود احمد غضنفر

فروری : ۱۹۸۴ م

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حامداً ومصلیاً

یہ کتاب "تفسیرِ آیتِ کریمہ" شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ نے ان آٹھ سوالوں کے جواب میں لکھی جو ایک سائل نے آیت کریمہ کے ضمن میں پیدا ہونے والے سوال امام ممدوح کی خدمت میں پیش کیے تھے۔ یہ سوالات اسی کتاب کی تمہید میں بالترتیب ذکر کر دیے گئے ہیں۔

یہ کتاب امام صاحبؒ نے عربی میں تحریر فرمائی، جس کا اردو ترجمہ مولانا عبدالرحیم مرحوم ناظم دارالعلوم پشاور نے کیا، تاکہ عوام الناس پوری طرح اس سے استفادہ کر سکیں۔

چونکہ یہ کتاب ایک عرصہ سے نایاب تھی، بڑی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اسے حاصل کر کے دوبارہ منظرِ عام پر لایا جائے۔ لہذا اسے از سرِ نو ترتیب دیا گیا اور دوبارہ موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق مکتبہ ابن تیمیہ کی جانب سے شائع کیا جا رہا ہے۔ کتاب میں جاذبیت پیدا کرنے کے لیے اسے سات ابواب میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ عام فہم بنانے کے لیے جلی اور ذیلی عنوان قائم کر دیے گئے ہیں۔ کہیں کہیں حاشیہ آرائی نے اسے مزید آسان بنا دیا ہے تاکہ ہر خاص و عام اس سے پوری طرح استفادہ کر سکے۔ ابتداء میں مضامین کی فہرست کے بعد شیخ الاسلام

Marfat.com

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات زندگی بھی درج کر دیے گئے ہیں تاکہ کتاب پڑھنے سے پہلے مطالعہ کرنے والے کے ذہن پر مصنف کی ہمہ گیر شخصیت کا اثر پڑ سکے ،
ویسے تو امام صاحب علیہ الرحمۃ کا نام ہی اپنے اندر کشش اور جاذبیت رکھتا ہے ۔
کسی کتاب پر آپ کا نام دیکھ لینے کے بعد ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی کہ کسی سے اس کتاب کا تعارف کرایا جائے ، آپؒ کا نام ہی اس کتاب کے مستند ہونے پر ایک دلیل ہے ۔

آخر میں قارئینِ کرام سے اپیل ہے کہ بندۂ عاجز کے حق میں دعا فرمائیں ۔
اللہ تعالیٰ مجھے دینی علوم کی خدمت کرنے اور اس قسم کے ذخائرِ علمیہ کو تلاش کر کے ہر خاص و عام تک پہنچانے کی توفیق بخشے ۔ آمین !

خاکسار :۔

محمود احمد غضنفر

فروری : ۱۹۸۴ م

Marfat.com

تفسیر

آیتِ کریمہ

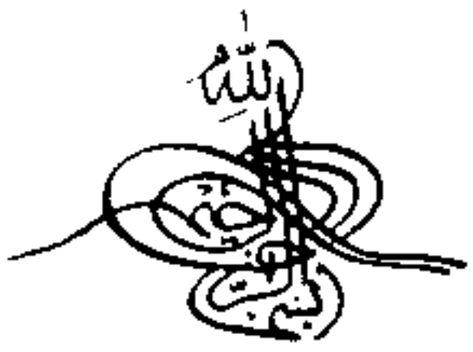

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

ترجمہ: (اے پروردگار) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری ذات پاک و بے عیب ہے بے شک میں ہی ظالموں سے ہوں

Marfat.com

تمہید

سوال کسی شخص نے شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ یہ جو احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

دعوة اخی ذی النون لا اله الا انت سبحنك انی كنت من الظلمين ما دعا بها مكرب الا فرج الله كربتهٔ	میرے بھائی حضرت یونس علیہ السلام کی دعا لا الٰہ الا انت سبحنك انی كنت من الظلمین کے ذریعے جوکوئی بھی مصیبت زدہ دعا کرے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت دور کردے گا۔

حضرت! آپ فرمائیں اس بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے۔ اس سلسلہ میں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں ان کا جواب باصواب دے کر ممنون فرمائیں۔ عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔ سوالات درج ذیل ہیں:

۱۔ ان الفاظ کو لفظِ دعا سے تعبیر کرنے کے کیا معنی ہیں؟

۲۔ دعا کے ان الفاظ میں مصیبت دور کرنے کی کون سی طاقت ہے؟

۳۔ جب آدمی یہ الفاظ منہ سے نکالے تو کیا ان کے ذریعے درجہ پذیرائی حاصل کرنے کے لیے کسی باطنی شرط کا ہونا لازمی ہے؟

۴۔ مصیبت دور کرنے کی خاصیت ان الفاظ میں کیونکر رکھی گئی ہے؟

Marfat.com

۵۔ "انی کنت من الظلمین" کے الفاظ کو توحید کے ساتھ کونسی مناسبت ہے جس کی بنا پر ان دونوں کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا گیا ہے؟

۶۔ کیا توبہ کی مقبولیت کے لیے صرف اپنے گناہ کا اعتراف کر لینا ہی کافی ہے یا آئندہ کے لیے گناہ کے ترک کرنے کا پختہ ارادہ کرنا بھی شرط ہے؟

۷۔ اس میں کیا راز ہے کہ مصیبت اسی صورت میں دور ہوتی ہے کہ آدمی تمام مخلوقات سے اپنی امید و بیم کا رشتہ بالکل منقطع کر لے اور اللہ کے سوا کسی سے امید وابستہ نہ رکھے؟

۸۔ مخلوقات سے تعلقات قطع کرنے اور کلیۃً خدائے واحد سے رشتہ جوڑنے کی کیا تدبیریں ہیں؟

ان سوالات کا جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ ان ساری باتوں کا جواب شرع متین کے مطابق بیان فرمائیں اور اس کا اجر اللہ تعالیٰ سے پائیں۔

جواب | شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ نے اس کے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو امام ممدوح کے الفاظ میں پیش خدمت ہے۔ مطالعہ کریں اور اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کریں۔

Marfat.com

پہلا باب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

دُعائے یُونسؑ کی معنوی مناسبت

دعا بمعنے عبادت اور سوال | لفظِ "دعا" اور "دعوت" کا استعمال قرآنِ کریم میں دو[۲] مختلف معانی میں ہوا ہے۔ ایک "عبادت" اور دوسرا "سوال" کے معنی میں۔ جن آیتوں میں دعا کا لفظ عبادت کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں!

غیر اللہ کی عبادت کے رد میں فرمایا:۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ (الشعراء: ۲۱۳)	(اے نبی!) آپ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں ورنہ آپ بھی عذاب پانے والوں سے ہو جائیں گے۔
وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝	"جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی پرستش کرتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی سند نہیں تو اس کی جوابدہی اس کے پروردگار کے پاس ہوگی۔

[۲] یہاں سے پہلے سوال کا جواب شروع ہوتا ہے۔

3940/

Marfat.com

(المومنون: ۱۱۷)

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○

(القصص: ۸۸)

(اللہ کا فیصلہ ہے کہ) کافر نجات نہیں پائے

(اے نبی!) آپ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہ کریں اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ اس کی ذات کے سوا سب چیزیں ہلاک ہونے والی ہیں۔ وہی بادشاہ ہے جس کے حضور تم کو حاضر ہونا ہے۔

خدا کی عبادت کرنے کی ترغیب دلانے کے لیے فرمایا:

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا

(الجنّ: ۱۹)

جب اللہ کا بندہ (نبی) اس کی عبادت کرنے کو کھڑا ہوتا تو وہ ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے (انبوہ در انبوہ جمع ہوتے)

شیطان کی عبادت کرنے سے ڈرانے کی خاطر فرمایا:۔

اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ○

(النساء: ۱۱۷)

(بیشتر لوگ) اللہ کے سوا بتوں کی پرستش کرتے ہیں (جن کو وہ عورتیں تصور کرتے ہیں) درحقیقت وہ شیطان مردود کی پوجا کرتے ہیں۔

سچی عبادت کی تلقین اس طرح فرمائی:۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ

اللہ ہی کی عبادت سچی عبادت ہے جو

لہ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا کے معنی ہیں، وہ یکے بعد دیگرے صفیں باندھ کر کثرتِ اژدحام سے اس پر گرے پڑتے ہیں کہ قرآن سنیں یا عجیب چیز سمجھ کر جمع ہوتے اور بھیڑ کرتے۔ اس سے مراد جنوں کی جماعت ہے اور مومنون کو ترغیب دلائی ہے۔ (مترجم)

Marfat.com

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ○ (الرعد: ۱۴)

لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں وہ ان کی دعا کا جواب نہیں دیتے مگر مثل اس آدمی کے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے کہ اس کے منہ میں پہنچنے والا نہیں ہے۔ کافروں کی عبادت برباد اور رائیگاں جاتی ہے۔

اور غیر اللہ کی عبادت نہ کرنے والوں کے بارہ میں فرمایا:۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ

(الفرقان: ۶۸)

جو لوگ اللہ کے ہمراہ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس جان کو مارنے سے منع کیا گیا ہے اسے نہیں مارتے مگر سچائی کے ساتھ اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔

اسی سورہ کے آخر میں فرمایا:۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ

(الفرقان: ۷۷)

(اے نبی! کافروں سے) فرما دیجئے، میرے پروردگار کو تمہاری کیا پرواہ ہے اگر تم نے اس سے دعا و عبادت نہ کی۔

دعا اور صلوٰۃ کا تسمیہ یہاں لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ایک بہت قوی جملہ ہے کیونکہ اس میں مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔ اگر مفعول کی طرف اضافت ہوتی تو بات اتنی زوردار نہ ہوتی۔ لہٰذا اس کے معنے یہ ہوئے کہ اس کی عبادت کرو اور اسی سے سوال کرو۔

اسی کے ساتھ فرمایا ہے:۔

Marfat.com

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ○ (الفرقان: ۷۷)	تم نے چونکہ اس کی تکذیب کر دی ہے لہٰذا عنقریب اس کا عذاب لازم ہو جائے گا یعنی جھٹلانے والوں کے لیے عذاب لازمی ہے۔

لفظِ صلوٰۃ بھی اصل میں لفظِ دعا ہے اور اس کا نام صلوٰۃ اس بنا پر رکھا گیا کہ اس کے مفہوم میں دعا کے دونوں معنی شامل ہیں، عبادت کرنا اور سوال کرنا۔ لفظِ صلوٰۃ کی اس تفسیر کی فرمانِ الٰہی سے بھی تائید ہوتی ہے۔

قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۰)	تمہارا پروردگار فرماتا ہے، تم مجھ سے دعا کرو۔ میں تمہاری دعا قبول کرتا ہوں۔

دو وجہوں سے ایسا کہا گیا ہے ایک یہ کہ تم میری عبادت کرو اور دوسری یہ کہ میرے حکم کی تعمیل کرو۔ تم ایسا کرو گے تو میں تمہاری بات کو شرفِ قبولیت بخشوں گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ بیان ہے:۔

وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (شوریٰ: ۲۶)	اللہ ان لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان دار اور نیک عمل کرنے والے ہیں۔

یعنی اِسْتَجَابَ لَهُمُ اللہ تعالیٰ انہیں مقبولیت سے مشرف فرمائے گا۔

تو گویا یہ بات واضح ہے کہ لغتِ عرب میں دعا کا لفظ بمعنی عبادت بھی استعمال ہوتا ہے اور بمعنی سوال وطلب بھی، جو محتاجِ ثبوت نہیں کیونکہ دعا کے معروف و متبادر معنی یہی ہیں، جیسا کہ استجابۃ واستجاب لہٗ کے متعلق شاعر کہتا ہے ؎

دَاعٍ يَا مَنْ يُجِيْبُ اِلَى النِّدٰى
فَلَمْ يَسْتَجِبْهُ عِنْدَ ذَاكَ مُجِيْبُ

Marfat.com

ترجمہ:۔ پکارنے والے نے کہا اے ندا ؤں کے سننے والے! وہ تجھ سے کیوں نہ مانگے جب تو قبول کرنے والا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ تم مجھ سے مانگو تو میں تم کو دے دوں گا۔ فرمایا:

سَلُوْنِیْ اُعْطِکُمْ	مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔

صحیحین میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یَنْزِلُ رَبُّنَا کُلَّ لَیْلَۃٍ	ہمارا پروردگار ہر ایک رات آسمانِ دنیا
اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا حِیْنَ	پر نزول فرماتا ہے جب کہ رات کا ایک
یَبْقٰی ثُلُثُ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ	تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے پھر فرماتا ہے:
فَیَقُوْلُ مَنْ یَّدْعُوْنِیْ	کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس
فَاَسْتَجِیْبُ لَہٗ مَنْ یَّسْاَلُنِیْ	کی دعا قبول کرلوں گا، کوئی ہے جو مجھ
فَاُعْطِیَہٗ مَنْ یَّسْتَغْفِرُنِیْ	سے سوال کرے تو میں اس کا سوال
فَاَغْفِرُ لَہٗ	پورا کردوں۔ کوئی ہے جو مغفرت کا
	طلبگار ہو کر میں اسے بخش دوں؟

سائل اور داعی اس حدیث میں بھی سب سے پہلے لفظِ دعا کا ذکر ہے اور اس کے بعد سوال اور استغفار کا ذکر ہے اور بخشش مانگنے والا بھی ایک سائل کی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ ایک سوال کرنے والا بھی ایک داعی ہے، لیکن برائی دفع کرنے والے سائل کا ذکر، طالبِ خیر کے سوال کے ذکر کے بعد کیا ہے اور پھر ان دونوں کا اکٹھا ذکر لفظِ داعی کے بعد کر دیا ہے جو نہ صرف ان دونوں کے معنوں پر اطلاق رکھتا ہے بلکہ ان کے علاوہ اور معنوں پر بھی حاوی ہے۔ پس یہ ایک خاص بات کو عام سے معطوف کرنے کی قسم سے ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

Marfat.com

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرہ: ۱۸۶)

اے نبی! جب میرا بندہ آپ سے میری بابت سوال کرے تو (فرما دیجئے) میں نزدیک ہی ہوں۔ پکارنے والے کی دعا کو سن لیتا ہوں جب بھی وہ بلاتا ہے

عبادت اور سوال کا باہمی ربط عبادت اور سوال دعا کے دونوں معانی میں ایک قسم کا ربط پایا جاتا ہے، کیونکہ ہر ایک شخص جو کسی چیز کا سوال کرتا اور اس کا طلب گار ہوتا ہے اس میں رغبت اور خوف کی صفت[1] پائی جاتی ہے۔ نیز جس سے سوال کرتا ہے اس کے آگے اپنے آپ کو ذلیل کرتا اور اس کے سامنے جھکتا ہے اور عبادت کا بھی قریب قریب یہی مفہوم ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی کی عبادت کرتا ہے وہ اس سے حصولِ مطالب کا امیدوار ہو کر اس کی بارگاہ میں راغب ہوتا ہے اور اس کے جی میں ناکامی کا بھی خطرہ لگا رہتا ہے۔

عابد اور سائل الغرض ہر ایک عابد سائل ہے اور ہر ایک سائل عابد۔ اور عبادت اور سوال دونوں لازم ملزوم ہیں اور اسی لیے ہر ایک لفظ ان میں سے الگ الگ استعمال ہو تو وہ دونوں معانی کے لیے استعمال ہونے کا احتمال رکھتا ہے لیکن جب دونوں لفظ ایک ہی موقع پر استعمال ہوں تو سائل کے لفظ کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے الفاظ کے ذریعے کسی نفع کے حاصل کرنے یا کسی نقصان سے بچنے کا خواہش مند ہے لیکن ایک عابد کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ حکم کی اطاعت کر کے اپنے مدعا کا خواہاں ہوتا ہے لیکن اس کے الفاظ میں صریح سوال اور الفاظ کی شکل میں درخواست نہیں ہوتی۔

---

[1] کیونکہ وہ کامیابی کے حصول میں راغب اور اس کے عدم حصول سے خائف و ہراساں رہتا ہے

Marfat.com

عبادت کا نصب العین

رغبت اور خوف جو لوگ خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے عبادت کرتے ہیں، وہ بھی رغبت اور رہبت اور خوف و رجاء سے خالی نہیں۔ اپنی مراد کے پورا ہو جانے کی رغبت رکھتے ہیں اور اس کے فوت ہو جانے سے ہراساں رہتے ہیں۔ انبیائے کرام اخلاص کے اعلیٰ ترین مقامات پر فائز تھے، بایں ہمہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ان کی عبادت کے نصب العین کو رغبت اور خوف سے تعبیر فرماتا ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ○

(الانبیاء: ۹۰)

بیشک یہ پیغمبر نیکیوں کے بجالانے میں نہایت مستعدی سے کام لیتے تھے اور رغبت اور خوف کے محرک سے متاثر ہو کر وہ ہماری عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے اور ہماری ہی بارگاہ میں وہ عاجزی کرتے تھے۔

ایک دوسری جگہ پر مقربین بارگاہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○

(رات کو عبادت کرتے وقت) ان کے پہلو اپنے نرم بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں اور وہ بیم و امید کے جذبات سے اپنے خدا کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق

Marfat.com

- - - - - - - - - - - - - - - - -	عطا فرمایا ہے، اس سے (راہ خدا میں)
(الم سجدہ: ۱۶)	خرچ کرتے ہیں۔

خوف و رجاء بعض مشائخ طریقت سے منقول ہے کہ خوف و رجاء عوام کے مقامات سے ہے؛ اور اس طرح یہ تشریح کی گئی ہے کہ مقربین کے مد نظر صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے اور وہ کسی مخلوق چیز سے لذت حاصل کرنے کے خواہش مند نہیں ہوتے، لیکن وہ بہرحال کسی مدعا کے حصول کے خواہاں اور اس کے محروم رہ جانے کے اندیشہ سے لرزاں رہ جاتے ہیں۔ خواہ ان کا سطح نظر کتنا بلند اور مقصد کتنا اعلیٰ وارفع ہوتا ہے۔

دوزخ اور جنت بعض مشائخ سے یہ بھی منقول ہے کہ:

"بارِ خدایا! میں نے جنت کے حصول کی خاطر یا دوزخ سے ڈر کر تیری عبادت نہیں کی۔"

اس قول کے قائل کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ جنت جسمانی حظوظ کا نام ہے اور دوزخ کا مفہوم ظاہری عذاب تک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالمِ آخرت میں جتنی جسمانی اور روحانی نعمتیں اپنے پیارے بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں وہ سب جنت کے مفہوم میں داخل ہیں اور دوزخ اس کی ضد ہے۔

اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کا رتبہ سب سے بڑھ کر ہے، ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتے اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے[1] جیسا کہ

---

[1] طریقہ نقشبندیہ کے ایک مشہور مقتدا امام ربانی علیہ الرحمۃ نے جو مجدد الف ثانی کے لقب سے معروف ہیں۔ اپنے مکتوبات میں بعینہٖ یہی تقریر لکھی ہے۔ یہ حوالہ دینے سے میرے دو مقصد ہیں۔ ایک یہ کہ جو لوگ حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور ان کے عقیدت مندوں کو اولیاء اللہ کا منکر خیال کرتے ہیں وہ خود مشائخ طریقت کے کلام میں ان کا مضمون پڑھ لیں۔ دوسرے یہ کہ بعض اہلِ حدیث سب مشائخ کو ایک جیسا خیال کرتے ہیں، ان کو بھی یہ غلط فہمی دور ہو۔ (مترجم)

Marfat.com

حدیث میں وارد ہے کہ آپ کے اصحاب نے دریافت کیا کہ آپ اپنی نماز میں کیا پڑھتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِنِّیْ اَسْئَلُ الْجَنَّۃَ وَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ النَّارِ	میں جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

نیز آپ نے فرمایا کہ:۔

"ایسی آواز سے بات کرنا کہ سمجھ میں نہ آسکے؛ ایسی گھنگھناہٹ کو میں پسند نہیں کرتا۔"

جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے:۔

"انی لا احسن دندنتك الا دندنة معاذ فقال حولها ندندن"

دیدارِ خداوندی اور علمائے کرام | بعض علمائے کرام یہ کہنا قابلِ اعتراض خیال کرتے ہیں کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ لَذَّةَ النَّظْرِ اِلٰی وَجْهِكَ ----------	بارِ خدایا! میں تجھ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھ کو اپنے دیدار کی لذت سے بہرہ ور فرما۔

ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے لذت حاصل کرنا کچھ بے معنی سی بات ہے۔ کیونکہ لذت ہمیشہ کسی محسوس اور جسمانی چیز سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ان چیزوں سے بالاتر ہے۔

یہ خیال بھی بالکل باطل ہے اور ان لوگوں کو بھی پہلے فریق کی طرح جنت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ پہلے فریق کی طلب اور درخواست ٹھیک ہے۔ برخلاف اس کے مؤخر الذکر جماعت نے ایک جائز درخواست کا انکار کیا اور اس کو قابلِ اعتراض خیال کیا ہے۔

○

Marfat.com

عزیمت کا اظہار

اکابرِ طریقت کا قول | دوزخ کے عذاب سے دردِ محسوس کرنا "حقیقت" اور امرِ واقع ہے۔ جس کی برداشت انسان کی طاقت سے بالاتر ہے رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج

اور یہ جو بعض اکابرِ طریقت کا قول نقل کیا گیا ہے کہ:

"اگر مجھ کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں بھی ڈال دے تو اس پر میں راضی ہونگا"

یہ ایک عزیمت کا اظہار ہے، لیکن بعض اوقات حقیقت کے روبرو ہونے پر عزیمت قائم نہیں رہتی۔ جیسا کہ سمنون علیہ الرحمۃ ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ انہوں نے ایک مرتبہ کہا تھا:

ولیس فی سواك حظ	مجھ کو تیرے بغیر کسی چیز سے لطف
فکیف ما شئت فامتحنی	حاصل نہیں ہوتا، اس لیے جس طرح بھی تو چاہے مجھے آزمالے۔

اس کے بعد وہ "عسر البول" کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے، تب ان کی آنکھیں کھلیں۔ چنانچہ وہ مدرسوں اور مکتبوں میں جاکر معصوم بچوں سے دفعِ تکلیف کے لیے دعا کراتے پھرتے اور ان سے کہتے کہ:

"اپنے جھوٹے چچا کے لیے دعا کریں"

شہادتِ قرآنی | کلامِ پاک میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ | بیشک تم موت سے ملاقاتی ہونے

Marfat.com

الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ (آل عمران: ۱۴۲)

سے پیشتر اس کے خواہاں تھے، لیکن اب تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

الغرض کسی چیز کا تصور باندھ کر کوئی ارادہ کر لینا اور بات ہے اور حقیقت کا ظہور میں آنا کچھ اور بات ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ بعض اصحاب تصوف نے مقامات کے پوشیدہ نقائص پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"محبت و رضا اور خوف و رجاء عوام کے مقامات ہیں۔ واصلِ حقیقت جب دیکھتا ہے کہ جو کچھ بھی دنیا میں ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تو اس کے دل سے اوہام نکل جاتے ہیں۔"

لیکن یہ قول سراسر غلط اور حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص جو زندہ ہے کسی مرغوب چیز کی محبت یا مبغوض چیز کی نفرت اپنے دل میں محسوس نہ کرے اور اگر کوئی یہ کہے کہ انسان زندہ اور صاحبِ حواس ہو کر کائنات کے نیک و بد کو ایک جیسا محسوس کرتا ہے تو ایسا کہنے والا یا تو جاہل مطلق ہے کہ جو کچھ منہ سے کہتا ہے اس کی حقیقت کا تصور نہیں کر سکتا۔ یا مکار ہے اور حقائق کے وجود کا دانستہ انکار کرتا ہے۔

مقامِ فنا اور دعوائے محویت اگر فرض کر لیا جائے کہ بعض حالتوں میں انسان کی عقل زائل ہو جاتی ہے جس کو محویت اور فنا وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے تو ایسے شخص کا بھی احساس بالکلیۃ زائل نہیں ہوتا۔ بلکہ موافق اور مخالف کے حُبّ و بُغض کا احساس فی الجملہ اس میں قائم رہتا ہے اس لیے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ توحید افعال اور توحیدِ ربوبیت کا مشاہدہ کرانے والے جمع اور فنا کے مقام پر فائز ہو کر کسی موافق اور مخالف چیز کی بابت حُبّ اور بُغض یا رغبت اور نفرت کا بالکل احساس نہیں کرتے۔ دو مختلف چیزوں

Marfat.com

میں فرق محسوس کرنا ناگزیر ہے اور اگر آدمی اس فرق کو محسوس نہ کرے جو شریعت نے بیان کیا ہے تو لامحالہ وہ طبعاً مختلف اشیاء اور مختلف امور میں فرق محسوس کرے گا اور اس حالت میں وہ اپنے مولیٰ کی مرضی کے تابع ہونے کی بجائے اپنی ہوائے نفس کا پیروکار ہوگا۔

شیخ جنید بغدادیؒ یہی وجہ ہے کہ جب یہ فنا اور محویت کا مسئلہ شیخ جنید بغدادیؒ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے تصریح فرمائی کہ "توحیدِ افعال کا مشاہدہ کرتے ہوئے محظور اور مامور میں فرق کرنا اور جن باتوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور جن کو ناپسند سمجھتا ہے ان میں امتیاز کرنا لازم ہے"۔ لیکن اگر کوئی شرعی فرق کو اڑا دے تو وہ یقیناً دائرہ اسلام سے خارج ہوگا اور بلحاظ شر بھی وہ عام کافروں سے بدتر ہوگا۔ کیونکہ یہی لوگ ہوتے ہیں جو انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے اشخاص میں تمیز نہیں کرتے بلکہ دونوں کو برابر سمجھنے لگتے ہیں اور رفتہ رفتہ وحدتِ وجود کے قائل ہو کر خالق اور مخلوق کا فرق بھی اٹھا دیتے ہیں اور دونوں کو ایک سمجھتے ہیں۔

تاہم سب کا یہ انجام نہیں ہوتا بلکہ اکثر ان میں سے فی الجملہ فرق کو قائم رکھتے ہیں۔ اور اس لیے کبھی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں اور کبھی نہیں۔ ان امور کی تفصیل کے لیے یہ جگہ نہیں۔

یہاں پر بتانا یہ تھا کہ دعا کا لفظ ہر دو معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ (یونس: ۱۰)	اور اہلِ جنت کی دعا کا خاتمہ یہ ہوگا کہ تمام تعریف اور ثناء اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے جو تمام عالموں کا پروردگار ہے

Marfat.com

آیتِ کریمہ کی خاصِیّت

ارشاداتِ نبویؐ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ سب سے اچھا ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے بہتر دعا الحمد للہ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے (جس کو سائل نے اپنے سوال میں ذکر کیا ہے) کہ یہ میرے بھائی یونس علیہ السلام کی دعا ہے، یعنی:۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ (الانبیاء: ۸۶)	(اے پروردگار!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بیشک میں (اپنے حق میں) ظالم ہوں۔

اگر کوئی مصیبت زدہ ان الفاظ میں دعا کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کو دور کر دے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یونس علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات کو دعا کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، کیوں کہ وہ دعا کے دونوں معانی پر مشتمل ہیں۔

اس کا پہلا حصہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ توحیدِ الوہیت کا اعتراف ہے اور یہ اعتراف دعا کے ہر دو معانی کو شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس سے قضائے حاجات کی بابت سوال کیا جائے [1]

---

[1] شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں یعنی اپنی تصنیفات میں اور نیز اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں مختلف جگہوں پر توحیدِ الوہیت اور توحیدِ ربوبیت کا فرق نہایت شد و مد کے ساتھ (بقیہ بر ۳۵)

Marfat.com

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کا دوسرا حصہ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اپنے گناہ اور قصور کا اقرار ہے جس کے ضمن میں طلبِ مغفرت کا سوال مضمر ہے، کیونکہ سائل کبھی تو اپنے سوال میں صریح طلب کا استعمال کرتا ہے جیسے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اور کبھی صرف اخبار کو سوال کا ذریعہ بناتا ہے۔

سوال کی مختلف صورتیں سوال کی پھر کئی صورتیں ہیں:

اوّل: یہ کہ اپنے حال کا اظہار کیا جائے۔

دوم: جس سے سوال کیا جائے اس کی کوئی مناسبِ حال صفت بیان کر دی جائے۔

سوم: بعض اوقات ان دونوں کا بیان ہوتا ہے۔

پہلی صورت کی مثال حضرت یونس علیہ السلام کا مندرجہ بالا قول ہے یا جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا	پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اب اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴) بیان فرمایا ہے ان کے کلام کا ملخص یہ ہے کہ "توحید کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ تمام دنیا کا خالق و رازق ایک ہے اور وہ قادرِ مطلق ہے۔ اس کا نام توحید ربوبیت ہے اور مشرکوں کو بھی اس سے انکار نہیں جیسے کہ قرآن مجید میں کثرت سے اس عقیدہ کا ذکر ہے۔ دوسرے یہ کہ صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود سمجھے، اسی کے سامنے اپنا سر جھکائے، اسی سے قضائے حاجات کی بابت درخواست کرے۔ اسی کی ذاتِ پاک پر اس کا بھروسہ ہو اور اسی کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھے۔ اس کو توحیدِ الوہیت کہتے ہیں اور اسی توحید کی تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے تعلیم دی ہے۔ قرآن کریم نے بھی جابجا اسی توحید کی طرف لوگوں کو بلایا ہے اور بغیر اس کے آدمی مسلمان نہیں ہوتا۔ (مترجم)

Marfat.com

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ	نہ فرمایا تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والے
(الاعراف: ۲۳)	زیاں کار ہو جائیں گے۔

ان ہر دو اقوال میں اپنی حالت کا بیان ہے اور ضمناً طلبِ مغفرت چاہی ہے اگرچہ بظاہر کوئی ایسا لفظ نہیں بولا، محض ایک خبر بیان کی ہے کہ عدمِ مغفرت اور کرم نوازی سے شاد کام نہ فرمانا موجب خسران ہوگا۔

اسی قبیل سے حضرت نوح علیہ السلام کا اقبالِ جرم بھی ہے کہ انہوں نے کہا:

رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ	پروردگار! میں تیری پناہ میں آتا ہوں
اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ	کہ میں نے تجھ سے ایک ایسی بات کا
وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْ	سوال کیا جس کا مجھے علم نہ تھا اگر تو
اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ○	نے مجھے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو
(ہود: ۴۷)	میں زیاں کاروں میں سے ہو جاؤں گا۔

اس میں بھی بیانِ خبر طلبِ مغفرت کو شامل ہے۔ پھر حضرت موسےٰ علیہ السلام کا قول ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ	پروردگار! میں اس نعمت کا محتاج
اِلَیَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ○	ہوں جو تو میری طرف اتار دے۔

یہ ان کے حال کی ہو بہو تصویر ہے۔ نزولِ خیر اور برکتِ خداوندی کا محتاج ہونا ہی ایک سوال ہے جو رحمتِ الٰہی کو کھینچ کر لاتا ہے۔ امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ شَغَلَهٗ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ	جس شخص کو تلاوت قرآن نے میری
عَنْ ذِكْرِیْ وَمَسْاَلَتِیْ	یاد اور سوال کرنے سے غافل کر دیا
اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا	ہو۔ میں اسے تمام سائلوں سے بھی

Marfat.com

اُعْطِی السَّائِلِیْنَ	زیادہ عنایت کر دیتا ہوں۔

دوسری صورت کی توضیح اس مثال سے ہو سکتی ہے کہ ایک شخص اپنے گناہوں کا تصور کر کے کہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ	خدایا! بے شک تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

تیسری صورت کی مثال یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اَنَا الْمُذْنِبُ وَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ	خدایا! میں گناہگار ہوں اور تو بخشش و مغفرت کرنے والا ہے

حضرت سفیان سے سوال و جواب سفیان بن عیینہ سے پوچھا گیا کہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ عرفہ کے دن سب سے بہتر دعا یہ ہے:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ	خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یگانہ ہے کوئی اس کا شریک نہیں بادشاہی بھی اسی کی ہے اور حمد و ثنا کا مستحق بھی وہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت سفیان نے پہلے تو یہ حدیث قدسی ذکر فرمائی کہ:

مَنْ شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ عَنْ مَسْاَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ	جس شخص کو میری یاد کی مشغولیت نے سوال کرنے سے غافل کر دیا ہو میں اس کو تمام سائلوں سے زیادہ بخش دیتا ہوں۔

اس کے بعد آپ نے امیہ بن ابوصلت کے ان اشعار کا حوالہ دیا جن میں اس نے

Marfat.com

ابن جدعان کی مدح سرائی کی ہے:

ءاذکر حاجتی ام قد کفانی   حیاؤک ان شیمتک الحیاء

اذا اثنیٰ علیک المرءیوما   کفاه من تعرضه الثناء

ترجمہ: میں نہیں جانتا کہ میں اپنی حالت کا اظہار کروں یا تیری بخشش کا دریا خود بخود موجزن ہوگا۔ کیونکہ بخشش تیری فطرت میں داخل ہے۔ جب کبھی کوئی آدمی تیری مدح سرائی کرتا ہے تو پھر وہ طلب اور سوال کا محتاج نہیں رہتا۔

سفیان نے یہ شعر پڑھ کر فرمایا:

"تو یہ ایک آدمی ہے جو اپنے جیسے ایک آدمی کی تعریف کر رہا ہے اور خالق تعالیٰ کی شان تو اس سے بہت ہی بالاتر ہے"

اور حضرت موسےٰ علیہ السلام کی یہ دعائے ماثورہ بھی اسی نوع میں شامل ہے:۔

اللھم لک الحمد و الیک المشتکی و انت المستعان و بک المستغاث و علیک التکلان	خدایا! تعریف وتحمید کا مستحق تو ہی ہے۔ تیری طرف میرا شکوہ ہے تو ہی میرا مددگار ہے تجھی سے میری فریاد ہے اور تجھی پر مجھے بھروسہ ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا

حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف جب انتہا تک پہنچ گئی تو انہوں نے رفعِ شدّت کے لیے ان الفاظ میں دعا کی:

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ○ (الانبیاء: ۸۳)	بارِ خدایا! مجھ کو سخت تکلیف پہنچی ہے اور تو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

یہ کنایۃً سوال کرنے کی تیسری صورت ہے۔ اس میں سائل نے اپنے حال

Marfat.com

کا بھی اظہار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ایک مناسبِ حال صفت کے ساتھ تعریف بھی کی ہے جس کے ضمن میں اس بات کی درخواست ہے کہ وہ اپنی رحمتِ کاملہ سے اس کی تکلیف کو رفع فرما دے اور یہ ایک پیرایۂ بیانِ خبریہ ہے جس میں معنوی طور پر سوال اور طلب شامل ہے۔

پیرائیہ حسنِ ادب اس قسم کے سوال میں حسنِ ادب پایا جاتا ہے جیسا کہ کوئی شخص جو کسی کے ساتھ حسنِ ادب اور تواضع سے پیش آئے اور اسے کہے کہ "میں بھوکا ہوں میں بیمار ہوں" اس سے اس کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ مجھے کھانا کھلاؤ اور میرا علاج کرو۔

اسی طرح اگر الفاظ کے ذریعہ سے سوال کی طلب صادق اور سوال کی قطعیت کا تقاضا ہو گا تو ضروری ہے کہ سائل کے حالات اور اس کی پوزیشن کو واضح طور پر ظاہر کر کے بتلایا جائے کہ اس کا عجز و نکبت اس حد کو پہنچ چکا ہے کہ اس کی حاجت براری کرنا چاہیئے اور یہ بات پوری توجہ سے کام لیے بغیر انجام نہیں پا سکتی اس لیے لفحوائے الکنایۃ ابلغ من التصریح[1] وہ سوال اور درخواست کی ایک مؤکد ترین صورت ہے البتہ صریح سوال اور صیغہ طلب میں اپنے مقصد کا اظہار زیادہ واضح ہوتا ہے۔ اس لیے اکثر دعاؤں میں یہی صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔

جامع ترین دُعا اس لیے اگر کوئی دعا سائل اور مسئول دونوں کا حال بیان کر دینے پر مشتمل ہو گی، تو وہ دعا کی جامع ترین صورت ہو گی کیونکہ ایسی دعا سائل کے حال کی اطلاع اور مسئول کے حال کے علم کی حامل ہوتی ہے جو دعا کی قبولیت کی ضامن ہوتی ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو کسی ایسی

---

[1] یہ علم بیان کا ایک اصول ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی بات کو صریح نہ کہنا بلکہ کنایہ کے ساتھ کہنا بمقابلہ صریح اظہارِ مقصد کے بلیغ تر اور زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔" (مترجم)

Marfat.com

دعاء کی تعلیم دیجیے جس کو میں اپنی نماز میں پڑھا کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ دعا سکھائی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ	بار خدایا! میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے اور تو ہی گناہوں کا بخشنے والا ہے۔ اپنے ہاں سے مجھ کو مغفرت عنایت فرما اور مجھ پر رحم کر بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے۔

اس میں سائل اپنے حال کا اظہار کرتا ہے کہ وہ مغفرت کا محتاج ہے۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بیان کرتا ہے کہ اس کے بغیر کوئی اس کی مطلب براری پر قادر نہیں۔ اس کے بعد صریحاً اپنے مقصد کے متعلق درخواست ہے، اپنے رب کو مغفرت اور رحمت کی صفات سے موصوف ظاہر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اوصاف درخواستِ مذکور کو شرفِ قبولیت بخشنے کے مقتضی ہیں۔ اس قسم کی دعا جامع ترین دعا سمجھی جاتی ہے۔

قرآنی دعاؤں کا خاصہ الغرض دعا کی یہ تمام قسمیں استعمال میں آتی ہیں اور قرآنِ کریم میں جو دعائیں مذکور ہیں وہ تمام اقسام کی حامل ہیں۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول کہ:

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ○ (القصص: ۲۴)	اے میرے رب! جو کچھ نعمت بھی تو میری طرف نازل فرمائے میں اس کا محتاج ہوں۔

اس میں اپنے حال کا اظہار کیا ہے، دوسری جگہ آپ کا یہ قول منقول ہے:

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ	اے میرے رب! میں نے اپنے

Marfat.com

فَاغْفِرْ لِیْ (القصص: ۱۶) | آپ پر ظلم کیا ہے پس تو مجھے بخش دے

اس میں اپنا حال ظاہر کرنے کے علاوہ طلبِ مغفرت کی تصریح ہے۔

تیسری دعاء حضرت موسٰے علیہ السلام کی سورۂ اعراف میں، ان کی زبان سے نقل کی گئی ہے،

اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَ	تو ہی ہمارا سرپرست اور کارساز ہے
ارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ	ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما
الْغَافِرِیْنَ ○	تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔

اس میں مسئول کا حال بیان کیا گیا ہے جو اجابت کا مقتضی ہے۔ اور ساتھ ہی طلب کی بھی تصریح ہے۔

بہرحال سوال کی یہ تمام تر قسمیں مستعمل ہیں اور ہر ایک قسم کی ایک خاص خصوصیت ہے ——————

Marfat.com

دوسرا باب

درجہ پذیرائی دعائے یونس علیہ السلام

دعا کا مخصوص انداز اب رہا یہ سوال کہ حضرت یونس علیہ السلام نے کیوں اپنی دعا میں مقصد کی تصریح نہیں کی؟ اور صرف اپنا حال بیان کرنے پر کیوں اکتفا کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مناسب یہی تھا کہ اپنے حال کا اظہار کرنے پر اکتفا کیا جاتا کیونکہ کلامِ بلیغ وہی ہوتا ہے جو اقتضائے حال کے مطابق ہو۔

یہاں پر مقام کا اقتضاء گناہ کا اعتراف اور اس بات کا اظہار ہے کہ جو مصیبت مجھ پر نازل ہوئی ہے، اس کا موجب میرا اپنا گناہ ہے۔ سببِ مغفرت ضمناً مطلوب ہے اس لیے لفظِ سوال سے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

رفع تکلیف کا حقیقی ذریعہ حضرت یونس علیہ السلام جانتے تھے کہ وہ خطا کار اور ستم گار ہیں اور اس تمام مصیبت کی علتِ حقیقی ان کا اپنا گناہ اور تقصیر ہے۔ اس لیے ظلم اور گناہ کا اعتراف کرنا اور اس پر ندامت کا اظہار کرنا ہی رفع سبب کا موجب ہوگا جو زوالِ مصیبت اور رفع تکلیف کا حقیقی علاج ہے۔ اس کی مزید توضیح لفظ سُبْحَانَكَ کی تشریح ہو سکتی ہے۔

عظمتِ الٰہی کا اعتراف سُبْحَانَكَ میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ (ہر ایک عیب اور نقص سے پاک اور مبرا ہونا) اور اس کی عظمت کا اعتراف ہے بلحاظ مقام کے اس کی تنزیہ کا یہ مفہوم ہے کہ اس کی ذاتِ پاک اس سے منزہ اور برتر ہے کہ کسی پر ظلم کرے یا بغیر

Marfat.com

کسی گناہ اور قصور کے کسی پر عقوبت اور عذاب نازل فرمائے۔ قائل اس بات پر زور دیتا ہے کہ خدا یا تو پاک اور بے عیب ہے اس بات سے کہ بغیر کسی جرم اور قصور کے مجھ پر ظلم کرے اور عذاب میں مبتلا کرے، بلکہ میں خود ہی ظالم تھا جس نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے قرآنِ کریم نے اس حقیقت کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے:

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ [1]	خدا نے ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ تو خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے۔
وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ [2]	خدا نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ تو خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے ہیں۔
وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ [3]	خدا نے ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ظالم تھے۔
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ [4]	بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام بھی اپنی دعا میں اسی حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں:۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ	بار خدایا! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے ہم پر مغفرت اور رحمت نہ کی تو ہم زیاں کاروں میں سے ہو جائیں گے۔

(الاعراف: ۲۳)

استفتاح نماز کی دعا | صحیح مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفتاح (آغاز نماز) کی دعا ان الفاظ میں منقول ہے:۔

---

[1] النحل: ۱۱۸ [2] ہود: ۱۰۱ [3] زخرف: ۷۶ [4] یونس: ۴۴

Marfat.com

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلٰهَ	الٰہی! تو ہی شہنشاہ ہے. تیرے سوا کوئی
اِلَّا اَنْتَ اَنْتَ رَبِّیْ وَ اَنَا	معبود نہیں ہے، تو ہی میرا پروردگار ہے
عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ	اور میں تیرا غلام ہوں، میں نے اپنے
اعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ	نفس پر ظلم کیا اور میں اپنے گناہوں کا
لِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِیْعًا فَاِنَّهٗ لَا	اعتراف کرتا ہوں پس تو میرے تمام
یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ	گناہ بخش دے. بیشک تیرے سوا گناہ
	بخشنے والا کوئی نہیں ہے.

سید الاستغفار کی فضیلت صحیح بخاری میں سید الاستغفار کی یہ عبارت آئی ہے کہ آدمی یوں کہے:—

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا	بارِ خدایا! تو میرا رب ہے. سوائے تیرے
اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَ اَنَا عَبْدُكَ	اور کوئی معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا
وَ اَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَ وَعْدِكَ	کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور جہاں
مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ	تک مجھ سے ہو سکا میں تیرے عہد و پیمان
مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ	اور وعدے پر قائم رہا ہوں، جو برائیاں
بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِیْ	میں نے کیں ان کے شر سے تجھی سے
فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ	پناہ مانگتا ہوں. میں اپنے اوپر تیری
الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ	نعمتوں کا اعتراف کرتا ہوں اور اپنے
	گناہوں کا بھی مجھے اقرار ہے تو اے خدا
	تو مجھے بخش دے، بیشک تیرے سوا
	اور کوئی نہیں جو گناہوں کا بخشنے والا ہو

اس کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ:—

Marfat.com

"جس شخص نے صبح کے وقت اس کو پڑھا، بشرطیکہ اسے ان الفاظ پر یقین ہو اور پھر وہ اسی دن مر جائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس شخص نے اس کو شام کے وقت پڑھا بشرطیکہ اس کو ان الفاظ پر یقین ہو اور پھر وہ اس رات میں مر جائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔"

عدل اور احسانِ خداوندی کا اعتراف الغرض آدمی کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے عدل اور احسان کا اعتراف کرے کیونکہ وہ کسی پر بھی ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا اور کسی کو بغیر اس کے اپنے کیے ہوئے جرم کی سزا نہیں دیتا۔ اس کے احسانات اور بندہ نوازیوں کا سلسلہ غیر منقطع ہے اس کی طرف سے جو عقوبت اور عذاب نازل ہو وہ عین عدل ہے اور اگر وہ کسی کو اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمائے تو یہ اس کا احسان اور فضل ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ کا مفہوم

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ کے یہ معنی ہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنی الوہیت کے اوصاف میں یکتا ہے اس کا علم ہر ایک چیز پر محیط ہے اس کی قدرت ہر ایک بات کو شامل ہے اس کی رحمت بے پایاں ہے اور اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ اس کی الوہیت کے اعتراف میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ اپنے بندوں پر متواتر اپنے احسانات نازل فرماتا ہے کیونکہ اس کی الوہیت کے یہ معنی ہیں کہ وہ عبادت کا مستحق ہے جس کا بالفاظِ دیگر یہ مفہوم ہے کہ وہ ان تمام صفاتِ کاملہ کے ساتھ موصوف ہے جن کی وجہ سے وہ اپنے بندوں کے لیے انتہا درجہ کا محبوب ہے اور ان کے دلوں میں اس کی بے حد عظمت ہے اور وہ اس کے سامنے بے انتہا خضوع کرتے ہیں عبادت کے مفہوم میں یہ دونوں باتیں شامل ہیں۔ انتہا درجے کی محبت اور انتہا درجے

Marfat.com

کا خضوع۔

لفظِ سُبْحَانَكَ کا مفہوم

سُبْحَانَكَ کے یہ معنی ہیں کہ وہ ظلم اور دیگر نقائص و عیوب سے پاک اور منزہ ہونے کے علاوہ جلالت اور عظمت کا مستحق ہے، کیونکہ اگر تسبیح کا سادہ مفہوم اس (ذاتِ پاک) کا نقائص اور عیوب سے مبرا ہونا ہے جیسا کہ مرسل حدیثوں میں موسیٰ بن طلحہ کی ایک حدیث میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فِیْ قَوْلِ الْعَبْدِ سُبْحَانَ اللّٰہِ اَنَّھَا بَرَاءَۃُ اللّٰہِ مِنَ السُّوْءِ	آدمی کے سبحان اللہ کہنے کا مفہوم ہر برائی سے اللہ تعالیٰ کی برارت کا اظہار ہے۔

لیکن فقط نفی، کبھی مدح نہیں تصور کی جاتی ہے، جب تک اس کے ضمن میں کمال کا اثبات نہ ہو اس لیے ہم کہتے ہیں کہ تسبیح کے مفہوم میں اس کی عظمت اور جلال کا مفہوم بھی شامل ہے۔ قرآن کریم میں عموماً جہاں کہیں اللہ تعالیٰ سے کسی عیب اور نقص کی نفی کی گئی ہے، ساتھ ہی اس کی صفاتِ کاملہ اور اس کے اسمائے حسنیٰ کا بھی ذکر ہے، مثلاً ارشاد ہے:

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ	اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں وہی زندہ اور تمام کائنات کو قائم رکھنے والا ہے اسے نہ کبھی اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔
(البقرہ: ۲۵۵)	

گویا اونگھ اور نیند کی نفی اس کی حیات اور قیومیت کے کمال کا موجب ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ	بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین کو

Marfat.com

الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ	اور ان کی درمیانی مخلوقات کو چھ دن
سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّ مَا مَسَّنَا مِنْ	میں پیدا کیا اور ہمیں کچھ بھی تکان
لُّغُوْبٍ ○ (قٓ: ۳۰)	محسوس نہ ہوئی۔

پس معلوم ہوا کہ تکان کا محسوس نہ ہونا اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے۔

صُدورِ ظلم کا عدمِ امکان الغرض حضرت یونس علیہ السلام کے قول "سُبْحَانَكَ" میں اللہ تعالیٰ سے ظلم کی نفی کی گئی ہے اور ساتھ ہی اس کی عظمت کا اثبات ہے جو نفیِ ظلم کے لیے بمنزلۂ دلیل کے ہے کیونکہ جو شخص ظلم کرتا ہے یا تو وہ اس کا محتاج ہوتا ہے یعنی اس کا مقصد بغیر ظلم کے پورا نہیں ہوتا اور یا اس کا باعث اس کی جہالت ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ غنی و بے نیاز ہے اور اس کا علم ہر ایک چیز پر محیط ہے اس لیے اس سے ظلم کا صادر ہونا ممکن نہیں۔

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ	اور یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ
(العنکبوت: ۴۰)	کسی پر ظلم کرے۔

Marfat.com

دعائے یونس علیہ السلام کی فضیلت

افضل الکلام حضرت یونس علیہ السلام کی اس دعا کی ایک فضیلت یہ ہے کہ اس میں تسبیح وتہلیل کو جمع کیا گیا ہے اور حدیثِ صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ قرآنِ کریم کے بعد بہترین یہ چار کلمات ہیں:-

سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ

لیکن تم جانتے ہو کہ تسبیح کے ساتھ تحمید گویا لازم ہے۔ اسی طرح تہلیل اور تکبیر کا ساتھ ہے

نیز ایک صحیح روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کلام کی بابت دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

اَفْضَلُ الْکَلَامِ مَا اصْطَفٰی اللّٰہُ لِمَلٰئِکَتِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ	افضل کلام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لیے پسند فرمایا ہے یعنی وہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ ہے۔

صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ:

کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ	دو ایسے کلمے ہیں جو زبان پر نہایت ہلکے (آسان) ہیں مگر قیامت کو ترازو میں) بہت وزنی ہوں گے اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ کو بہت پیارے ہیں (وہ یہ ہیں) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ

ان دونوں کلمات میں خدا کی تسبیح کو اس کی حمد اور اس کی عظمت کے ساتھ ملایا گیا ہے

Marfat.com

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ تسبیح کے مفہوم میں نقائص اور عیوب کی نفی کے علاوہ عظمت وجلال اور صفاتِ کمال کا بھی اثبات ہے۔

قرآنِ کریم میں ایک جگہ حکم دیا گیا ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ	اپنے پروردگار کی حمد بیان کرو۔

فرشتوں نے جواب دیا تھا،

وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ (البقرہ: ۳۰)	خدایا! ہم تیری حمد وتقدیس کے گیت گاتے ہیں۔

محامدِ ذات کی محبوبیت گویا جس طرح خدا کی حمد وتعظیم کو یہاں یکجا بیان کیا ہے۔ اسی طرح بعض دوسری جگہوں میں اجلال واکرام کی صفت کو جمع کیا ہے۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ عظمت اور کبریائی کے ساتھ موصوف ہونے کے باوجود اپنے محامدِ صفات کی وجہ سے اپنے بندوں کو نہایت ہی محبوب ہے۔ ذوالجلال والاکرام کے یہی معنی ہیں اور عبادت کی بھی یہی حقیقت ہے کہ معبود کی عظمت اس کی محبت کے ساتھ ملی جلی ہوئی ہے جیسے کہ ہم پہلے اس کی توضیح کر چکے ہیں۔

امام رازیؒ کا نظریہ امام فخرالدین رازیؒ اور بعض دوسرے مفسرین کا قول ہے کہ "جلال صفتِ سلبیہ ہے اور اکرام صفتِ ثبوتیہ" لیکن یہ ان کی غلطی ہے۔ تحقیقی بات وہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ یہ دونوں صفاتِ ثبوتیہ ہیں اور صفاتِ کمال کا اثبات بھی نفسِ نقائص کا موجب ہے جیسا کہ اس کی تنزیہ صفاتِ کمال کے اثبات کے مترادف ہے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ان کے مفہوم میں نقائص اور عیوب کی نفی بھی پائی جاتی ہے اس لیے کہ وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس سے محبت کی جائے اور وہی عظمت وتعظیم کے لائق ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

لہ النحل: ۹۹

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (لقمان: ۲۶)	بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بے پرواہ اور ستودہ صفات ہے۔

اور سلیمان علیہ السلام کا قول:۔

فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ کَرِیْمٌ ○ (النمل: ۴۰)	بیشک میرا پروردگار ہی بے پرواہ اور کریم ہے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَہُ الْمُلْکُ وَ لَہُ الْحَمْدُ (التغابن: ۱)	اسی کے لیے بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے۔

کیونکہ بکثرت صاحبِ کمال و عظمت ایسے ہوتے ہیں جو حمد کے لائق نہیں ہوتے، بلکہ قابلِ مذمت ہوتے ہیں اور بکثرت محبوب ایسے ہوتے ہیں جنہیں اس لحاظ سے کوئی عظمت نصیب نہیں ہوتی، بلکہ نہایت عاجز، ذلیل اور ضعیف ترین انسان شمار کیے جاتے ہیں، اول الذکر سے محبت نہیں کی جاتی، بلکہ اس کے رعب داب سے ڈرا جاتا ہے جو لائقِ محبت نہیں۔

عظمت و کبریائی کا اظہار کمالِ محبت اس وقت حاصل ہوتا ہے جب یہ دونوں اوصاف جمع ہو جائیں جیسا کہ آثارِ صحابہؓ میں ہے:

اِنَّ الْمُؤْمِنَ رَزَقَ حَلَاوَۃً وَ مَھَابَۃً	مومن وہ ہے جو خدا کے ڈر اور حلاوتِ ایمان سے شاد کام ہو۔

نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں فرمایا:

مَنْ رَاٰہُ بَدِیْھَۃً ھَابَہٗ وَ مَنْ خَالَطَہٗ مَعْرِفَۃً اَحَبَّہٗ	جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر طور پر دیکھا وہ مرعوب ہو گیا اور جس نے آپؐ سے میل جول کیا، اس نے محبوب جانا

Marfat.com

اسی وجہ سے تسبیح کو تحمید کے ساتھ اور تہلیل کو تکبیر کے ساتھ وابستہ کر دیا، جیسے اذان کے الفاظ میں خدا کی کبریائی بیان کرنے کے بعد اس کی الوہیت کا اعلان ہے۔

اور پھر ان ہر دو کلمات کی بھی دو قسمیں ہیں، جب اکیلے استعمال ہوتے ہیں تو دوسرے کے مفہوم کو بھی ضمناً شامل ہوتے ہیں کیونکہ یہ دونوں کلمے عظمتِ الٰہی کو ظاہر کرتے اور تحمیدِ الٰہی کا اثبات کرتے ہیں اور یہی بات لازمۂ الوہیتِ الٰہی ہے۔ کیونکہ عبادت اسی کی کی جاتی ہے جس سے بدرجۂ کمال محبت ہو۔ اسی طرح اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مفتاح الخطاب ہے اور سُبْحَانَ اللّٰہِ عظمتِ الٰہی کا ثبوت ہے اسی لیے فرمایا:۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ (الواقعہ: آخر)	اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی تسبیح بیان کیا کرو۔

الغرض اللہ تعالیٰ باوجود انتہا درجہ کی عظمت و کبریائی کے بدرجۂ غایت محبوب ہے اور اس لیے وہی عبادت کا مستحق ہے کیونکہ دوسروں میں یہ دونوں اوصاف ساتھ ساتھ بدرجۂ اتم نہیں پائے جاتے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ انہی اوصاف کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

اسی طرح کلماتِ اربعہ میں سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں اللہ تعالیٰ کے لیے تمام محامد اور محاسن کا اثبات ہے کیونکہ اس کی الوہیت تمام محامد صفات کی مقتضی ہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ میں اس کی عظمت کا اظہار ہے۔ عظمت و کبریائی دونوں کے معنی بڑائی کے ہیں، لیکن کبریائی کا مفہوم نسبتاً کامل تر ہے اور اس لیے نماز اور اذان و اقامت کے الفاظ مشروعہ اور دیگر ادعیہ ماثورہ میں جا بجا اللہ تعالیٰ کو کبریائی کے ساتھ موصوف ظاہر کیا گیا ہے۔

ایک صحیح روایت سے یہ حدیثِ قدسی منقول ہے کہ:۔

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے جو کوئی ان صفات میں میرے ساتھ جھگڑا کرے گا، (یعنی اپنے

Marfat.com

آپ کو ان صفات سے موصوف ظاہر کرنے کی کوشش کرے گا) میں
اس کو عذاب دوں گا"
اور ایک روایت میں ہے کہ:
"میں اس کو توڑ ڈالوں گا"

ظاہر ہے کہ عرب کے نزدیک چادر کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ لہذا عبارت مذکور میں کبریائی کو چادر سے تعبیر کرنا ایک پیرایۂ بیان ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کبریائی کے مفہوم میں بڑائی کا مفہوم بہت زیادہ ہے۔

اسمائے حُسنٰے اور کلماتِ چہار گانہ ان کلمات چہار گانہ میں سے جب ہر ایک کلمہ الگ استعمال ہو تو وہ دوسرے کلمات کے مفہوم پر مشتمل ہوتا ہے اور اگر دوسرے کلمات کے ساتھ مقرون ہو کر استعمال ہو تو پھر ہر ایک کلمہ اپنے خاص مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اسمائے حسنٰے میں سے ہر ایک اسم دوسرے اسماء کے مفہوم پر ضمناً مشتمل ہوتا ہے کیونکہ ہر ایک اسم میں ذات کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس کی ذات تمام صفاتِ کمال کی جامع ہے لیکن اگر ساتھ ساتھ دو یا تین یا زیادہ اسمائے حسنٰے مذکور ہوں تو ہر ایک اسم اپنا خاص مفہوم ظاہر کرتا ہے۔

مدحت طرازی بدرجہ غایت اس بناء پر حضرت یونس علیہ السلام کا یہ قول کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ کلمات چہار گانہ کے معانی پر مشتمل ہے جن کو قرآن کریم کے بعد دوسرے درجہ پر افضل الکلام بتایا گیا ہے اور اس کے ضمن میں تمام اسمائے حسنٰے اور صفاتِ علیا کا مفہوم شامل ہے۔ اس لیے یہ غایت درجہ کی مدح ہے۔

اظہارِ حال و اعترافِ قصور اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ میں اپنے حال کا اظہار اور گناہ اور قصور کا مؤکد اعتراف ہے۔ یہ ایک ایسا اعتراف ہے جو ہر ایک فرد بشر کے لیے ناگزیر ہے خصوصاً جب کہ وہ اپنے پروردگار کے ساتھ مناجات میں مشغول ہو

Marfat.com

بروایتِ صحیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول منقول ہے کہ:

لَا یَنْبَغِیْ لِعَبْدٍ اَنْ یَّقُوْلَ	کسی شخص کو یہ کہنے کا حق حاصل نہیں
اَنَا خَیْرٌ مِنْ یُوْنُسَ ابْنِ مَتّیٰ	کہ میں یونس بن متی سے اچھا ہوں۔
مَنْ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِنْ	جو شخص یہ کہے کہ میں یونس بن متی
یُوْنُسَ بْنِ مَتّیٰ فَقَدْ	سے اچھا ہوں وہ اپنے اس قول
کَذَبَ	میں جھوٹا ہے۔

ایک دلچسپ توجیہ اس حدیث شریف کا ملخص یہ ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو اس سے بالاتر سمجھتا ہے کہ وہ یونس علیہ السلام کی طرح صریح اور صاف لفظوں میں اپنے گناہ کا اعتراف کرے، بیشک وہ جھوٹا ہے اس لیے بزرگان دین میں سے کسی نے بھی اپنے آپ کو اس مقام سے بری قرار نہیں دیا، بلکہ وہی کہتے رہے جو ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا، ان کے پیشوا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

Marfat.com

تیسرا باب

حکمت وخاصیت کتاب وسنت کی روشنی میں

دعائے یونس علیہ السلام

سبب اور ازالہ مصیبت اب رہا سائل کا یہ قول[1] کہ اس سے مصیبت دور ہونے میں کونسی حکمت ہے؟ آؤ ہم تمہیں بتائیں کہ اس میں کونسی حکمت ہے مصیبت کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی دور نہیں کرسکتا۔ کلام پاک میں ہے:

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ	اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی تکلیف پہنچادے
فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ	تو سوائے اس کے اور کوئی بھی نہیں،
یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ	جو اسے دور کرسکے اور اگر وہ تم کو بھلائی
لِفَضْلِهٖ	پہنچانا چاہے تو کوئی بھی اس کے فضل
(یونس: ۱۰۷)	کو روکنے والا نہیں۔

یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ ہر ایک تکلیف اور مصیبت کا حقیقی سبب انسان کے اپنے گناہ ہوتے ہیں۔ فرمایا:

[1] یہاں سے سوال نمبر ۲ کا جواب شروع ہوتا ہے (ناشر)

Marfat.com

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ○ (شوریٰ: ۳۰)	تم کو جو کچھ بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے کیے ہوئے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے اور اللہ تو بہت سے گناہ بخش بھی دیتا ہے (اور ان پر مواخذہ نہیں کرتا)

اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنا ازالۂ سبب کا حکم رکھتا ہے۔ فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○	یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ آپ ان میں موجود ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے اور یہ بھی ناممکن ہے کہ ان کو بخشش طلب کرنے پر عذاب میں مبتلا کر دیا جائے

پس اس بات سے خبردار ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ اپنے گناہوں سے بخشش مانگنے والے کو عذاب نہیں کرے گا۔

ہر تنگی اور اندیشے سے نجات

حدیث شریف میں ہے کہ:

مَنْ اَكْثَرَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ فِيْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَمِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا وَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ	جو شخص کثرت سے اپنے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ہر اندیشے سے نجات بخشتا ہے اور ہر ایک تنگی سے نکلنے کا اس کے لیے راستہ بنا دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہو۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کے قول میں کہاں تک ان اصول

Marfat.com

کی پابندی اور ان پر عمل کیا گیا ہے ؟

خیر و برکت کا سرچشمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ میں توحید الوہیت کا اقرار اور اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ میں اپنے گناہ اور قصور کا اعتراف ہے جس کے ضمن میں طلب مغفرت پائی جاتی ہے اور تم جانتے ہو کہ تمام خیر و برکت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کی مشیت ہے، جو چاہے سو کرے اور جس چیز کو وہ نہ چاہے اس کا ہونا محال اور ناممکن ہے لیکن اس خیر و برکت کے نزول سے آدمی کے اپنے گناہ مانع ہوتے ہیں اس لیے توحید الوہیت کی شہادت انسان کے لیے خیر کا دروازہ کھول دیتی ہے اور استغفار سے شر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے اپنی امید و بیم کو وابستہ رکھے اور اس بات کا خوف کبھی اس کے دل میں پیدا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس پر ظلم کرے گا۔۔۔ (العیاذ باللہ) ارشاد ہوتا ہے :

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَّلٰکِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ	بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنے آپ ظلم کرتے ہیں۔

بلکہ اسے اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ اس کے اپنے گناہ اس کے لیے عذاب کا موجب نہ بن جائیں۔

حضرت علیؓ کا قول حضرت علیؓ کا قول ہے کہ

لَا یَرْجُوَنَّ عَبْدٌ اِلَّا رَبَّہٗ وَلَا یَخَافَنَّ اِلَّا ذَنْبَہٗ	انسان کو صرف اپنے خدا ہی سے امید و بیم کی لو لگانا چاہیئے اور فقط اپنے گناہوں سے اسے ڈرنا چاہیئے۔

امید و بیم کا ملجا و ماویٰ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا :

Marfat.com

كَيْفَ تَجِدُكَ ؟ — تم اپنے کو کس حالت میں پاتے ہو؟

اس نے جواب میں عرض کیا کہ:-

اَرْجُوا اللّٰهَ رَحْمَتَهٗ وَاَخَافُ ذُنُوْبِيْ	اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امید وار ہوں، اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں۔

آپؐ نے فرمایا:

مَا اجْتَمَعَا فِيْ قَلْبِ عَبْدٍ مِثْلَ هٰذَا الْمُؤْمِنِ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ مَا يَرْجُوْ اٰمَنَهٗ مِمَّا يَخَافُ	ایسے موقعے پر جس مومن کے دل میں خوف و رجاء جمع ہوں یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی امید بر لائے گا اور جس چیز سے وہ ڈرتا ہے اس سے اس کو بے غم کر دیگا۔

بہر حال انسان کی امید صرف اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہونی چاہیئے کسی دوسری مخلوق کے ساتھ نہ ہو حتیٰ کہ اپنی قوت اور اپنے عمل کے ساتھ بھی اپنی امیدوں کو وابستہ نہ کرے کیونکہ ایسا کرنا شرک ہے جس کو اللہ تعالیٰ کبھی پسند نہیں فرماتا:

موجب اثراتِ اسباب اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے حصول کے لیے اسباب مقرر فرمائے ہیں لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اسباب بذات خود کچھ بھی مؤثر نہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے اثر کو باطل فرما دے۔ فرمایا:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ (الرعد: ۳۹)	اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔

اسبابِ عدمِ ظہورِ نتائج نیز بعض یا اکثر اوقات موانع اور عوارض کی وجہ سے اسباب کے عمل میں لائے جانے کے باوجود مطلوبہ نتائج ظہور میں نہیں آتے اور ان عوارض اور عوائق و موانع کا دور کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اسی بنا پر کسی بزرگ نے کہا ہے کہ:-

Marfat.com

"اسباب پر نظر رکھنا شرک ہے لیکن اسباب سے بالکل قطع نظر کر لینا اور ان پر مطلق التفات نہ کرنا بھی عقل اور شرع کے خلاف ہے۔"

کلام پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ○ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ○	جب تم دوسرے شاغل سے فارغ ہو جایا کرو تو تکلیف برداشت کرو اور صرف اپنے پروردگار کی طرف راغب ہوا کرو۔
(انشراح: ۷،۸)	

اس آیت میں اس بات کا حکم ہے کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رغبت رکھنا چاہیئے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○	تم اگر مومن ہو تو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو۔
(المائدہ: ۲۳)	

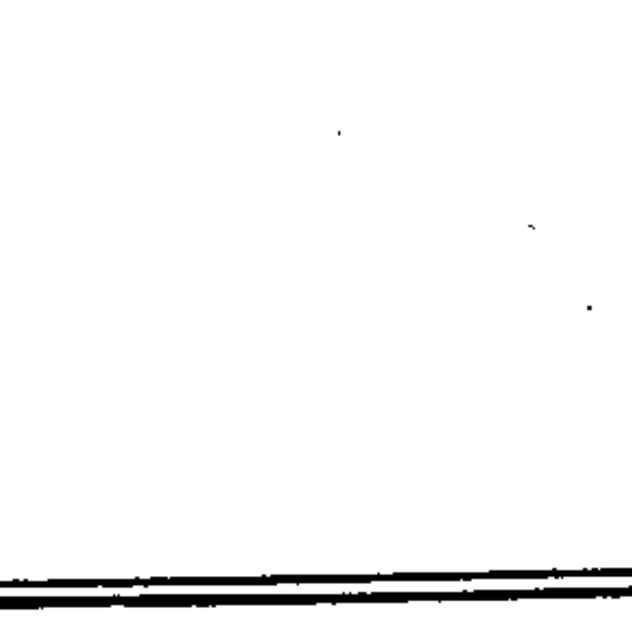

Marfat.com

کامرانی کی حقیقی شاہراہ

توکّل علی اللہ اور شرک انسان کا بھروسہ ہمیشہ اس چیز پر ہوتا ہے جس سے اس کی امیدیں وابستہ ہوں۔ اس لیے جس شخص کی امیدیں اپنے زورِ بازو، اپنے علم و عمل، اپنے حال یا اپنے دوست، اپنی قرابت یا اپنے مال و دولت، اپنے پیر و استاد یا بادشاہ کے ساتھ وابستہ ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو تو سمجھ لو کہ وہ ان چیزوں پر بھروسہ رکھتا ہے اور اس کا توکل ان چیزوں پر ہے لیکن یہ شرک ہے۔ فرمایا:

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (الحج:)	جو شخص اللہ سے شرک کرتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے وہ آسمان سے گر کر مر گیا اور پرندے اس کا گوشت نوچتے ہیں یا ہوا اسے دور دراز مقام پر اڑا کر لے جائے۔

مخلوق پر بھروسہ جو شخص کسی مخلوق سے اپنی امیدوں کو وابستہ کرتا ہے، یا حصولِ مقصد کے لیے اس پر بھروسہ رکھتا ہے اس کا انجام ناکامی ہوگا اور جلد یا بدیر اس کی یہ غلط فہمی دور ہو کر رہے گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ	بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اس کا شریک بنا لیتے اور ان سے خدا کی طرح محبت رکھتے ہیں۔ لیکن

Marfat.com

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝

(البقرہ: ۱۶۵ تا ۱۶۷)

جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت زیادہ سرشار ہیں اور اگر یہ ظالم لوگ اس حالت کو دیکھ لیں جبکہ عذاب ان کو سامنے نظر آجائے گا تو انہیں اور زیادہ یقین ہو جائے گا کہ تمام تر طاقت اللہ کے لیے مخصوص ہے اور بے شک اللہ کا عذاب نہایت سخت ہے۔ یہ وہ حالت ہے جبکہ پیشوا اپنے مریدوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے ہوگا اور جن اسباب پر ان کو بھروسہ تھا وہ سب منقطع ہو جائیں گے۔ پیروی کرنے والے مرید کہیں گے، کاش! اگر ہمارے لیے دنیا میں دوبارہ لوٹ جانا میسر آجائے تو ہم بھی ان پیشواؤں سے اسی طرح بیزار ہو جائیں جس طرح وہ ہم سے بیزار ہوئے، اس طرح اللہ ان کے اعمال بد انہیں دکھاتا ہے کہ ان پر حسرت طاری ہو، بہر حال انہیں دوزخ کی آگ سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

Marfat.com

اور فرمایا:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝

(بنی اسرائیل: ۵۶، ۵۷)

(اے نبیؐ! مشرکوں سے) فرما دیجیے، اللہ کے سوا جن کو تم خدا سمجھتے ہو ان کو بلاؤ۔ وہ تم سے مصیبت دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہی بدلہ دے سکتے ہیں، وہ تو خود بھی اپنے پروردگار کو بلاتے اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے کون اس سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف رہتے ہیں بلاشبہ تیرے پروردگار کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

مشرک مرعوب اور مومن مامون

یہ مشرکوں کی ایک خاص صفت ہے کہ ان کا ڈرنا اور ان کی امید و بیم مخلوق سے وابستہ ہوتی ہے اور اس لیے وہ ہمیشہ مرعوب رہتے ہیں۔ کلام پاک میں ہے:

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ أَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ (آل عمران: ۱۵۱)

ہم ان کافروں کے دلوں میں اس لیے رعب ڈال دیں گے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا دیا۔

اس کے برخلاف جس کی توحید خالص ہے وہ امن میں رہتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولٰٓئِكَ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کا جامہ نہیں پہنایا، ان کے

Marfat.com

لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (المائدہ : ۸۲)	لیے امن وامان ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

اس آیت میں لفظ "ظلم" کی تفسیر "شرک" کے ساتھ کی ہے۔ نیز ایک صحیح اور مرفوع حدیث میں منقول ہے جو ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ متردد ہوئے کہ کون ہے جو اپنے نفس پر ظلم نہیں کرتا ؟ تو آپ نے فرمایا:

اِنَّ هٰذِهِ الشِّرْكَ	یعنی اس سے مراد شرک ہے۔

اور اس کی تائید میں آپؐ نے قرآن شریف کی یہ آیت پڑھی اور فرمایا کیا تم نے یہ نہیں سنا:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان : ۳۲)	شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے۔

اس نقطہ کو ملحوظ خاطر رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ اسباب کا ذکر فرماتے ہوئے اس بات کی تصریح فرماتا ہے کہ ان مشرکوں پر اعتماد نہ کیا جائے بلکہ ایک ایمان دار کی یہ صفت ہونی چاہیئے کہ اس کا تمام تر بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو۔

جنگِ بدر اور اسبابِ فتح مندی

جنگِ بدر میں ملائکہ کے نزول کا ذکر فرماتے ہوئے کلامِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (آل عمران : ۱۲۶)	ملائکہ کا نزول فقط تم کو خوش کرنے کے لیے تھا اور یہ کہ تمہارے دل تسلی پذیر ہو جائیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ فتح مندی اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ	بے شک اللہ تعالیٰ نے تم کو بہت

Marfat.com

مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ
حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ
كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ
شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ
الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ
وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ
اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى
رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا
وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ
وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(التوبہ: ۲۶)

سے میدان ہائے جنگ میں فتح مندی
عنایت کی، اور جنگِ حنین کے موقع
پر بھی تم کو فتح مند کیا جب کہ تم اپنی
کثرت پر نازاں تھے لیکن تمہاری کثرت
تمہارے ذرہ بھی کام نہ آئی اور زمین
باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی،
اور بالآخر تم بھاگ نکلے، ازاں بعد
(جبکہ تم پر اسبابِ ظاہری کی حقیقت
روشن ہو گئی) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول
اور مومنوں پر تسلی نازل فرمائی اور ایسے
لشکر ان کی مدد کے لیے بھیجے جن کو تم
نہیں دیکھ سکتے تھے اور اس نے کافروں
کو عذاب دیا اور یہی ان کی سزا ہے۔

تیسری جگہ فرمایا ہے:

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا
غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ
فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ
مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

(آل عمران: ۱۶۰)

اگر اللہ تعالیٰ تم کو فتح مند بنانا چاہے
تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر
وہ تمہاری مدد چھوڑ دے تو پھر کون
ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا
اور مومنوں کو تو صرف اللہ تعالیٰ پر
بھروسہ رکھنا چاہیے۔

لہ یہ اس بات کی تصریح ہے کہ تم کو فتح مندی غیر مرئی اسباب کے ذریعے سے حاصل ہوئی ہے۔

Marfat.com

موازنۂ صبر اور توکّل

امّید و بیم بھی سوال کی ایک قسم ہے

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دعا کی دو قسمیں ہیں ایک دعا بمعنی عبادت ہے اور دوسری دعا بمعنی سوال اور دعا کی دونوں قسمیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں جس کسی نے کسی دوسری ہستی کو حاجت روا گردانا تو وہ ذلیل و خوار ہو گیا اور چونکہ کسی سے اپنی امید کو وابستہ کرنا بھی سوال کی ایک قسم ہے اس لیے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ اسے چاہیئے کہ کسی دوسرے سے سوال نہ کرے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا اَتَاكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَاَنْتَ غَيْرُ سَائِلٍ وَلَا مُشْرِفٍ فَخُذْهُ وَمَا لَا تَتْبَعْهُ نَفْسُكَ	جو مال تم کو ایسی حالت میں ملے کہ تم نے نہ تو سوال کیا ہو اور نہ تم اس کے نگران رہے ہو، اس مال کو لے لیا کرو اور اگر ایسا نہیں تو مت لو۔

نگران رہنے کے یہ معنی ہیں کہ آدمی اپنے دل میں اس مال کے مل جانے کا خواہاں ہو، اور اس کی توقع رکھتا ہو۔

ابو سعید خدریؓ کی روایت

صحیحین میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

Marfat.com

ہے کہ ہم ایک مرتبہ بھوک کی مصیبت میں مبتلا ہوئے اور میں سوال کرنے کے ارادے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپؐ خطبہ میں مشغول تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ:۔

یا ایھا الناس واللہ مھما یکن عندنا من خیر فلن ندخرہ عنکم وانہ من یستغن یغنہ اللہ ومن یستعفف یعفہ اللہ ومن یتصبر یصبرہ اللہ وما اعطی احد عطاءً خیرا اوسع من الصبر

اے لوگو! خدا کی قسم اگر ہمارے پاس مال موجود ہوگا تو میں ہرگز تم کو اس سے محروم نہیں کروں گا اور بیشک جو شخص بے نیازی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بے نیاز کر دیتا ہے اور جو شخص (اس ذلت سے) بری رہنا چاہتا ہے اللہ اس کو بری رہنے کی توفیق بخشے گا اور جو شخص تکلیف برداشت کر کے صبر اختیار کرے گا اس میں صبر کا ملکہ پیدا ہوگا اور صبر سے فراخ تر اور وسیع و بہتر بخشش کسی کو نہیں دی گئی۔

استغناء یعنی بے نیازی کے یہ معنی ہیں کہ اپنے دل کو بھی کسی چیز کی توقع میں نگراں نہ رکھے اور اس کے حاصل کرنے کی خواہش ہی پیدا نہ ہو۔

استعفاف یعنی بری رہنا، یہ ہے کہ زبان سے سوال نہ کرے۔

امام احمدؒ بن حنبل کا توکل یہی وجہ ہے کہ جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے توکل کی حقیقت دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا:

قطع الاستشراف الی الخلق — مخلوقات سے اپنی امید و بیم کو توڑ دینا۔

یعنی توکل یہ ہے کہ تمہارے دل میں بھی یہ خیال پیدا نہ ہو کہ کوئی تم کو کچھ دے گا، اس

Marfat.com

کی دلیل کی بابت استفسار کیا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

"جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کافروں نے آگ میں ڈالا اور جبرئیل علیہ السلام نے آکر کہا:

هل لك من حاجة ؟	آپ کو کسی چیز کی حاجت ہے ؟

حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

ما اليك -------	تم سے مجھے کوئی حاجت نہیں"۔

ایسی روایات سے صاف اور واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو کسی نفع کی طلب میں یا کسی ضرر کے ارتفاع میں اپنا دل سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی طرف متوجہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اسی بنا پر حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی دعا کو لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سے شروع کیا۔

ارشادِ نبوی بروقت تکلیف | صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی مصیبت اور تکلیف کے پیش آنے پر فرمایا کرتے تھے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ	بیشک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ	وہ عظمت اور حلم کا خداوند ہے۔ بیشک
الْعَظِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی آسمانوں
السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ	اور زمین کا پروردگار ہے اور عزت
وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ	والے عرش کا مالک ہے۔

ان الفاظ میں سراسر توحیدِ الوہیت کا اظہار ہے اور یہ کہ مومن کی جملہ امیدیں اسی وحدہٗ لاشریک کے ساتھ وابستہ ہیں (تبارک وتعالیٰ رب العلمین و احسن الخالقین) یہ الفاظ بظاہر جملہ خبریہ ہیں لیکن ان کے ضمن میں طلب کے معنی پائے جاتے ہیں جیسا کہ بارہا اس کا

Marfat.com

اخلاص اور علوِ شانِ الوہیت

پابندیٔ احکام واطاعت عام لوگ اگرچہ اپنی زبان سے لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے اور توحیدِ الوہیت کا اقرار کرتے ہیں لیکن خلوص کے ساتھ اس کی حقیقت کا اعتراف کرنے کی شان دوسری ہے۔ کمالِ توحید کا لازمی نتیجہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور اطاعت ہے۔ کلامِ مجید میں ہے:۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (الفرقان: ۴۳، ۴۴)	کیا کبھی تم نے اس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے ہوائے نفس کو اپنا معبود قرار دے رکھا ہے، کیا تم اس شخص کے وکیل ہو؟ اور کیا تمہارا خیال ہے کہ اکثر ان میں سے سن سمجھ سکتے ہیں؟ یہ لوگ تو یقیناً چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ تر!

ہوائے نفس کو معبود ٹھہرانا اس لیے جس کسی کی محبت اور شیفتگی اپنی خواہشاتِ نفسانی کے لیے ہو۔ اس نے یقیناً ہوائے نفس کو اپنا معبود قرار دیا۔ اور یہی کیفیت مشرکوں کی ہے کہ جس چیز کو انہوں نے اپنی خواہشِ نفس کے مطابق پسند کیا۔ اسی کو معبود بنالیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ (البقرہ : ۱۶۵)	یہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا رکھے ہیں جن کے ساتھ وہ خدا کی طرح محبت کرتے ہیں

اخلاصِ حضرت ابراہیم خلیل اللہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کے معبودوں پر ایک ناقدانہ نظر ڈال کر فرمایا تھا:۔

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ (المائدہ : ۷۷)	میں غائب ہو جانے والی چیزوں کو پسند نہیں کرتا

یہ ایک امر واقع ہے کہ آپ کی قوم کے لوگ صانعِ عالم کے منکر نہیں تھے، لیکن جس چیز کو وہ پسند کرتے اور بزعم خود اس کو اپنے حق میں نفع رساں خیال کرتے تھے مثلاً سورج، چاند اور دیگر ستارے، انہی کو وہ پوجنے لگتے، خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو بتایا کہ جو چیز نظروں سے غائب ہو جاتی ہے اور وہ اپنے عابدوں کا کلام سننے اور ان کا حال جاننے سے قاصر ہے اور ان کا نفع یا ضرر اس کے اختیار میں نہیں۔ وہ اس قابل نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔

الغرض جس قدر بھی انسان توحید میں خلوص پیدا کرے، اسی نسبت سے اس کے دل سے غیر اللہ کو معبود ٹھہرانے کا خیال دُور ہو گا اور وہ گناہوں اور نافرمانیوں سے محفوظ رہے گا۔

مخلصین اور شیطانی تسلط اللہ تعالیٰ نے یوسف صدیق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصمت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ○	اسی طرح ہم نے اس کے لیے عصمت کے سامان مہیا کیے تاکہ برائی اور بےحیائی کو اس سے دور رکھیں۔ بے شک وہ

Marfat.com

(یوسف: ۲۴) | ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔

برائی اور بے حیائی کو اپنے مخلص بندوں سے دور رکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں شیطان کو ان الفاظ میں مخاطب فرمایا ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (النحل: ۴۲)	بے شک ہمارے خاص بندوں پر تجھے کسی قسم کا تسلط نہیں ہوگا۔

اور اس کے جواب میں شیطان نے کہا:

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ○ (ص: ۸۳، ۸۴)	خدایا تیری ذات کی قسم، ان سب کو بہکا کر چھوڑوں گا مگر جو تیرے مخلص بندے ہیں وہ بدراہی سے بچ جائیں گے۔

غرض شیطانی اکساوٹ اس قدر شدید ہونے کے باوجود بھی مخلص[1] بندے اس کی زد سے بچ نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان کے حق میں وعدہ ہے کہ شیطان کو ان پر کچھ بھی اختیار و تسلط نہیں۔

○○○○○○○○○
★★★★★★★★★

[1] اس لیے ہمیں خدا کے مخلص بندوں کے زمرہ میں شامل ہونے کی سعی کرنی چاہیئے۔ ان کے سے عقاید ہوں اور ان جیسے اعمال بجالائیں۔ (ناشر)

Marfat.com

اخلاصِ کلمۂ توحید

دخولِ جنت از قولِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحیح حدیث مروی ہے کہ جو شخص خلوصِ قلب کے ساتھ کہہ دے "لا الٰہ الا اللہ"، اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو گئی، کیونکہ اخلاص کی بدولت آدمی ان اعمال کے ارتکاب سے محفوظ رہتا ہے جو انسان کو دوزخ کی آگ کا مستوجب بناتے ہیں اور یہ یاد رہے کہ جو شخص باوجود لا الٰہ الا اللہ کہنے کے دوزخ میں ڈالا جائے گا، اس کا سبب اخلاص کا فقدان یا کمی ہو گی اور اس کے دل میں شرک کا کوئی شائبہ موجود ہو گا، کیونکہ بعض اوقات شرک کا وجود چیونٹی کی چال سے بھی پوشیدہ تر ہوتا ہے، اس لیے انسان اپنے آپ کو اس سے مبرا خیال کرتا ہے۔

تجدیدِ اخلاص کا پروگرام اسی بنا پر انسان کو مامور کیا گیا ہے کہ وہ ہر ایک نماز کی ہر ایک رکعت میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہہ کر اپنی توحید اور اپنے اخلاص کی تجدید کر لیا کرے۔ شیطان کی کوشش ہر وقت یہ رہتی ہے کہ وہ آدمی کو شرک میں مبتلا کر دے اور آدمی کا نفس ہمیشہ اس کی تلقین اور القاء کا اثر قبول کرنے کے لیے آمادہ رہتا ہے اور غیر اللہ کو بیم و امید کا قبلہ بنائے رکھتا ہے۔ لہٰذا انسان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی توحید کو خالص رکھنے کی کوشش کرے اور اسے شرک کی آمیزش سے پاک رکھے۔

ہلاکت آفرینیٔ شیطان ابن ابی عاصم وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کی ہے کہ شیطان کہتا ہے،

اَھْلَکْتُ النَّاسَ بِالذُّنُوْبِ | میں نے لوگوں سے گناہ کرائے اور ان

Marfat.com

وَاَهْلَكُوْنِیْ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالْاِسْتِغْفَارِ فَلَمَّا رَاَیْتُ ذٰلِكَ ثَبَتُّ فِیْهِمُ الْاَهْوَاءَ فَهُمْ یُذْنِبُوْنَ وَلَا یَسْتَغْفِرُوْنَ لِاَنَّهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا	کو ہلاک کیا لیکن انہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہہ کر اور اللہ سے مغفرت طلب کر کے مجھ کو ہلاک کیا لیکن جب میں نے دیکھا تو ان کو خواہش نفس کی پیروی[1] میں لگا دیا نتیجہ یہ ہوا کہ اب وہ نافرمانی کرتے ہیں اور مغفرت نہیں طلب کرتے کیونکہ وہ اپنے اعتقاد میں ایک نیک کام کرتے ہیں

خواہش نفس کی پیروی خواہش نفس کی پیروی یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی ہدایت کو چھوڑ دے اور جو طبیعت میں آئے اس کو مانے اور عمل میں لائے ایسے ہی شخص کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے کہ:

مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (الفرقان: ۴۳)	جس نے ہوائے نفس کو اپنا معبود ٹھہرا لیا ہے۔

اس لیے وہ مشرک ہے اور اس کا شرک اس کے لیے مغفرت طلب کرنے سے مانع ہے۔

[1] عقاید اور اعمال میں ان کو بدعتوں کے ایجاد پر مائل کر دیا۔ (مترجم)

Marfat.com

توحید اور استغفار کی نسبت

برخلاف اس کے جس شخص نے اپنی توحید کو خالص کر رکھا اور خدائے تعالیٰ سے اپنے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کی تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ دنیا اور آخرت کے شر و رسے محفوظ نہ رہے۔ اس لیے ذوالنون (حضرت یونس) علیہ السلام کی دعا یہ تھی:۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (الانبیاء: ۸۷)	خدایا! تیرے سوا کوئی بھی میرا حاجت روا نہیں۔ بے شک میں خود ہی ظالموں میں سے ہوں۔

اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کی اکثر آیتوں میں توحید اور استغفار کا ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے مثلاً ارشاد ہوتا ہے:۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد: ۱۹)	تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہ کے لیے اور مومن مرد اور مومن عورتوں کے لیے مغفرت طلب کرو۔

اور فرمایا:

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِیْ	سوائے اللہ کے کسی اور کی عبادت مت

Marfat.com

لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ
وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ
ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ

(ہود: ۲، ۳)

کرو۔ بے شک میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے ڈرانے والا اور خوشخبری لانے والا ہوں اور بے شک تم اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔

اسی سورہ میں قوم عاد کے قصہ میں بعینہٖ یہی الفاظ مذکور ہیں۔ اور فرمایا:

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا
قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ
(ہود: ۵۰)

اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا جس نے انہیں کہا کہ اے قوم! اللہ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے بغیر تمہارا کوئی معبود نہیں۔

اور فرمایا:

وَ يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ
ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ (ہود: ۵۲)

کہ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کرو

اسی سورہ میں قوم عاد کے قصہ میں بعینہٖ یہی الفاظ مذکور ہیں۔

سورۂ "فصّلت" کے پہلے رکوع میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَ
اسْتَغْفِرُوْهُ

(فصّلت: ۶)

(یا رسول اللہ) کہہ دو کہ بے شک میں تم جیسا انسان ہوں (فرق یہ ہے) میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک تمہارا معبود ایک ہے اور تم سیدھے ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اسی سے مغفرت طلب کرو۔

Marfat.com

مجلس کے خاتمہ کی دعاء حدیث شریف میں آیا ہے کہ مجلس کا خاتمہ ان الفاظ پر ہونا چاہیئے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ	اے خدا! تو پاک ہے اور تیرے لیے
اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ	سب تعریفیں ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں
اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ	کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تجھی سے
----------	مغفرت طلب کرتا اور تیری طرف ہی
----------	رجوع کرتا ہوں۔

اگر وہ مجلس اچھی تھی تو یہ کلمات بمنزلہ مہر ہو جائیں گے۔ لیکن اگر وہ بیہودہ مجلس تھی، تو یہ کلمات اس کا کفارہ ہو جائیں گے۔

ادعیہ آخر وضو اور نماز نیز ایک حدیث شریف میں ہے کہ وضو کے آخر میں یہ کہنا چاہیئے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ واحد اور
وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ	لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور
اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ	گواہی دیتا ہوں میں اس بات کی کہ
وَرَسُوْلُهٗ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ	حضرت محمدؐ اللہ کے بندے اور اس
مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ	کے رسول ہیں۔ خدایا! مجھ کو توبہ کرنے
مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ	والوں اور پاکیزہ بندوں میں بنا دے۔

یہ دونوں اذکار توحید اور استغفار پر مشتمل ہیں۔

ایک دوسری روایت میں وضو کے آخر میں بعینہٖ انہی کلمات کا کہنا منقول ہے، جو مجلس کے خاتمے پر کہے جاتے ہیں جو دین اسلام کی اصل واساس ہیں۔ کیونکہ دین تمام تر انہی دو شہادتوں میں داخل ہے۔ اس لیے ان ہر دو کا مضمون یہ ہے کہ ہم سوائے اللہ کے

Marfat.com

کسی کی بھی عبادت نہیں کرتے اور اس کے رسولؐ کی پیروی کرتے ہیں۔ پس یہی دین اسلام کا خلاصہ ہے، اللہ کی عبادت بھی اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت کے ذریعے ہوتی ہے، اور ہر ایک فرضی اور نفلی عبادت بھی اسی اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول میں مضمر ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ کفارۂ مجلس کی دعا نماز کے آخر اور وضو کے آخر میں بھی پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز کے آخر میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ	یا اللہ مجھے بخش دے میرے وہ سب گناہ جو میں پہلے کر چکا ہوں یا بعد میں کروں گا، اور جو پوشیدہ کیے ہیں اور جو علانیہ کیے ہیں اور جو کچھ کہ تو میرے متعلق جانتا ہے، تو مقدم اور تو ہی مؤخر ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

اس میں بھی وہی استغفار اور توحید ہے۔ نماز کی دعا میں کلمۂ توحید کو اس لیے آخر دعا میں رکھا گیا ہے کہ نماز کا خاتمہ بہترین کلمہ پر ہو۔

افضل اور مفضول البتہ جہاں پر یہ بات مقصود بالذات نہیں وہاں توحید کو مقدم رکھا گیا ہے (مثلاً خاتمہ مجلس اور خاتمہ وضو کی دعاؤں میں) کیونکہ بلحاظ نوعیت کے وہ دعا جس کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی ثنا اور تعریف ہو اس دعا سے بہتر اور افضل ہے جو سوال اور طلب پر مشتمل ہو۔ اگرچہ بعض موقعوں پر مفضول کو کسی خاص سبب کی بنا پر افضل سے ترجیح دی جاتی ہے، چنانچہ نماز مطلق قراءت سے افضل ہے اور قراءت قرآن کو ان اذکار پر ترجیح ہے جو حمد و ثنا پر مشتمل ہیں اور اس قسم کے اذکار ان دعاؤں پر فوقیت رکھتے ہیں، جن میں خالص سوال

Marfat.com

اور طلب ہے لیکن بایں ہمہ بعض اوقات اور بعض جگہوں میں مفضول کو کسی خاص وجہ کی بنا پر افضل سے راجح مانا جاتا ہے۔

تمام ادیان کا نچوڑ بہرحال اس بات کو بخوبی یاد رکھنا چاہیئے کہ دین کا آغاز اور انجام اور اس کا ظاہر اور باطن، توحید اور خالص توحید ہے اور دینِ اسلام تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ادیان کا زبدہ اور ملخص ہے اور لوگوں کے دلوں پر لا الٰہ الا اللہ کا گہرا نقش بٹھانا اس کا مقصد ہے۔

توحیدِ ربوبیّت اور توحیدِ الوہیّت

عام مسلمان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے مضمون کا سرسری اقرار کرتے ہیں لیکن توحید کو خالص بنانے میں ان کے درجات میں ایک وسیع اختلاف پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جس توحید کو فرضِ مؤکد قرار دیا گیا ہے، اس کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ کوئی شخص یہ اقرار کرلے کہ ہر ایک چیز کا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے اور وہی اس کی پرورش کا کفیل ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ توحیدِ ربوبیت اور چیز ہے اور توحیدِ الوہیت اور چیز۔

عقیدۂ مشرکینِ عرب توحیدِ ربوبیت کا تو عرب کے مشرکوں کو بھی اقرار تھا، وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ آفرینندۂ عالم ایک نہیں، یا سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور بھی ایسا خدا موجود ہے جو پروردگارِ مطلق کہلا سکے، اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں واضح طور پر ان کا یہ عقیدہ بیان فرمایا ہے (یعنی یہ کہ وہ خالقِ عالم کو ایک سمجھتے تھے) فرمایا:

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ	اگر تم ان سے دریافت کرو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ یہی

Marfat.com

خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ○
(زخرف: ۹)

کہیں گے کہ ان چیزوں کو خدائے غالب اور باخبر نے پیدا کیا۔

اور فرمایا:

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ○

ان میں سے اکثر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لائے بلکہ وہ مشرک ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ○

(المومنون: ۸۴ تا ۸۹)

(اے نبی!) ان سے پوچھیے، زمین اور جو کچھ اس میں ہے کس کی ملکیت ہے اگر تم جانتے ہو؟ تو کہیں گے اللہ ہی تو ہے۔ آپ پوچھیں ساتوں آسمانوں کا پروردگار اور بڑے عرش کا مالک کون ہے؟ اس کے جواب میں وہ ضرور یہ کہیں گے کہ اللہ ہی تو ہے، آپ پوچھیں تو پھر کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ پھر پوچھیں کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر ایک چیز کا کامل تصرف ہے اور کون دوسروں کو پناہ دیتا ہے اور خود پناہ نہیں چاہتا اس کے جواب میں وہ ضرور کہیں گے کہ وہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے، آپ پوچھیں کہ پھر تم کیوں مسحور ہوئے پھرتے ہو؟

Marfat.com

انکارِ توحیدِ الوہیت لیکن یہ شرک باوجود اس اقرار کے کہ خالق ارض و سما اللہ ہی ہے اور وہی سب کا پروردگار ہے، خدا کی توحیدِ الوہیت کے معترف نہیں تھے جس کی انبیاءؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم دی ہے بلکہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا رکھا تھا جن کو بارگاہِ کبریا میں اپنا شفیع خیال کرتے تھے، چنانچہ ان کا یہ قول قرآن کریم میں منقول ہے:

وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ (یونس: ۱۸)	تو وہ کہتے ہیں، ہمارے یہ معبود اللہ کے سامنے سفارشی ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (الزمر: ۳)	جن لوگوں نے غیر اللہ کو اپنا کارساز مقرر کر رکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت (معبود سمجھ کر نہیں کرتے) بلکہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ خدا کی بارگاہ میں ہمارے لیے حصولِ قرب کا موجب ہوں۔

غیر اللہ کے ساتھ محبت کرنا شرک ہے ان لوگوں کا شرک یہ تھا کہ وہ محبت، عبادت اور طلبِ حاجات میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک گردانتے تھے، اگرچہ اعتقاد اور اقرار کے لحاظ سے وہ موحد تھے۔ کلامِ پاک میں ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ (البقرہ: ۱۶۵)	لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو غیر اللہ کو اس کا شریک گردانتے اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں، جیسی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرنی چاہیئے۔

اس آیت کریمہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص کسی مخلوق کے ساتھ ویسی محبت رکھتا ہے جو اس کو خدائے تعالیٰ کے ساتھ رکھنی چاہیئے تو وہ مشرک ہے اور اس آیت کے مفہوم

Marfat.com

میں داخل ہے، چاہے وہ اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کو پیدا کیا اور وہی اس کو رزق دیتا ہے۔

الحب للہ و الحب مع اللہ کا فرق

O

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان دو شخصوں میں فرق بتایا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے محبت رکھتا ہے اور وہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی اپنا محبوب قرار دے رکھا ہے، پہلے شخص کی محبت اور عبادت کا منتہیٰ اور مقصود فقط اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور کوئی دوسرا بالاستقلال ان کا محبوب نہیں ہوتا۔ لیکن ساتھ ہی وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بعض بندوں سے یعنی انبیاؑ اور صالحین سے محبت ہے۔ اس لیے وہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ اس کو ان کا بذاتِ خود محبوب بنانا مقصود ہے بلکہ اس لیے کہ وہ خدا کے محبوب ہیں۔

ترکِ محظورات اور بجا آوریٔ مامورات اسی طرح وہ جانتا ہے کہ مامورات کا بجالانا اور محظورات کا ترک کرنا خدا تعالیٰ کو پسند ہے اس لیے وہ ایسا ہی کرتا ہے کیونکہ اس کی محبت خدا کی محبت کے تابع رہتی ہے۔ برخلاف اس کے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بلکہ (اپنی خواہشِ نفس کے مطابق) اس کے ساتھ کسی دوسرے کو اپنا محبوب قرار دیتا ہے اور اپنی امید و بیم کو اس سے وابستہ کرتا ہے اور ہر حالت میں اس کی اطاعت کرتا ہے قطع نظر اس سے کہ اس کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اس کو اپنا شفیع سمجھتا ہے، اگرچہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے اس کو شفیع مقرر فرمایا ہے۔ فرمایا:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ (یونس:۱۸)	اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو کچھ نفع یا ضرر نہیں پہنچا سکتے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے شفیع ہیں، ان سے پوچھو کیا تم اللہ کو وہ بات بتانا چاہتے ہو جو زمین و آسمان میں نہیں جانتا۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں تو کوئی بھی اس قسم کا شفیع نہ آسمانوں میں ہے اور نہ زمین میں ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے شفیع ہیں تو کیا وہ خدائے تعالیٰ کو ایک ایسی بات بتانا چاہتے ہیں جو وہ نہیں جانتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (التوبہ: ۳۱)	ان لوگوں (یہودیوں اور عیسائیوں) نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ اور عیسیٰ ابن مریم کو خدا بنا رکھا ہے، حالانکہ ان کو تو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک ہی خدا کی عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی معبود نہیں اور وہ ان باتوں سے پاک و برتر ہے جن کے ذریعے وہ شرک کرتے ہیں۔

اس آیت سے نہایت صاف اور واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء اور علماء و مشائخ کی تعظیم اور اطاعت میں اگر غلو کیا جائے تو یہ بھی شرک ہے چاہے وہ غلو کرنے

Marfat.com

والا اس کو شرک نہ سمجھتا ہو۔

روایتِ عدی بن حاتم اس کی مزید توضیح عدی بن حاتم کی حدیث سے ہوتی ہے۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں اس آیت کے متعلق استفسار کیا تھا کہ ہم عیسائی لوگ تو اپنے علماء و مشائخ کو اپنا معبود نہیں سمجھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

"وہ ان کے لیے حلال کو حرام کر دیتے تھے اور حرام کو حلال کر دیتے تھے، جس کی وہ بے تامل اطاعت کرتے تھے۔ یہی ان کی عبادت تھی"۔

قرآن کریم میں ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ (شوریٰ: ۲۱)	کیا انہوں نے اپنے لیے خدا کے شریک مقرر کر رکھے ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایک ایسا مذہب ایجاد کیا جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔

تعظیمِ مشائخ میں غلو واضح رہے کہ جو شخص کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو چھوڑ کر کسی عالم، مجتہد یا شیخ طریقت کے قول کا اس لیے اتباع کرتا ہے کہ وہ اس کا قول ہے

---

[1] یعنی اندھا دھند کسی کی تقلید کرنا بھی شرک ہے اور اس کو غیر اللہ کی عبادت کہتے ہیں۔

[2] کسی پیر و مرشد کی اس طرح تقلید کرنا پیر پرستی میں داخل ہوگی۔ اگر اس کی بات شریعت کے مطابق ہے تو اس کی پابندی عین شریعت کی پابندی ہوگی لیکن اگر وہ متبع شریعت نہیں تو خواہ وہ آسمان پر اڑا آئے، بے شمار کرامات کا ظہور اس کے ہاتھ پر ہو اس کی بیعت قطعاً حرام ہے اگر بیعت ہو جائے تو اس کا توڑنا فرض عین ہے۔ اگر نہ توڑے گا تو کافر زندیق اور اس میں کچھ فرق نہ ہوگا خسر الدنیا والآخرۃ ہوگیا۔

Marfat.com

یقیناً وہ اس آیت کریمہ کے مفہوم میں داخل ہوگا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظّٰلِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ○ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ○

(الفرقان: ۲۷ تا ۲۹)

اور اس حالت کو یاد رکھو جب کہ ظالم آدمی (جس نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو پسِ پشت پھینکا تھا) انتہا درجہ کا افسوس کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا، کاش! میں نے پیغمبر خدا کے ساتھ رہنا، اس کے راستے پر چلنا اختیار کیا ہوتا۔ ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔ بے شک اس نے مجھے بہکا کر اللہ کے کلام سے دور پھینک دیا جب کہ وہ میرے پاس آچکا تھا اور بیشک شیطان انسان کو تکلیف کے وقت بالکل اکیلا چھوڑ دینے والا ہے۔

Marfat.com

چوتھا باب

اِطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول

رسولوں کی بعثت کا مقصد | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تو اس لیے فرض ہے کہ آپؐ کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۰) | جس شخص نے رسولؐ کی اطاعت کی تو بے شک اس نے خدا کی اطاعت کی

پس حلال وہی ہے جو رسولؐ نے حلال ٹھہرایا اور حرام وہی ہے جسے رسولؐ نے حرام قرار دیا اور دین وہ ہے جسے رسول نے شریعت قرار دیا اور کیوں نہ ہو، رسول کے بھیجنے کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچائے اور اس کے احکام کی بے کم وکاست تبلیغ کرے لیکن رسول کو چھوڑ کر دوسرے علماء ومشائخ اور ملوک وعلماء سب کی اطاعت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان کا حکم اور ان کی ہدایت وارشاد، اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی شریعت کے موافق ہو۔ ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء: ۵۹) | اے مومنو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور مومن حاکموں کی اطاعت کرو۔

Marfat.com

مامور من اللہ اور اولی الامر | اس سوال کے ساتھ اَطِیْعُوْا کا لفظ دوبارہ ذکر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ رسولؐ کی اطاعت بھی خدا کی اطاعت کی طرح ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم بیان کریں تو کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے ماننے میں چون وچرا کرے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے مامور ہو کر حکم دیتے ہیں:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم: ۳،۴)	وہ تو اپنی خواہش نفسانی سے کچھ بھی نہیں کہتا، اس کو تو وحی آتی ہے (تب وہ بولتا ہے)

برخلاف اس کے علماء اور مشائخ اور ملوک و امراء جن کو اس آیت میں "اولی الامر" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، کسی ایسی بات کا بھی حکم ان سے صادر ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ اور اس کے احکام کے خلاف ہو۔ اس لیے "اولی الامر" کے لفظ کو "الرسول" پر عطف کیا گیا ہے یعنی ان کی اطاعت کے لیے یہ شرط ہے کہ ان کا حکم "الرسول" کی تعلیم کے مطابق ہو۔ اس کی توضیح اسی آیت کے آخری حصہ سے ہوتی ہے کہ:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (النساء: ۵۹)	اگر بالفرض کسی بات میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس اختلاف کا فیصلہ کرانے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔

دین کا ملخص | اس تقریر کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے سے یہ بات بخوبی تمہاری سمجھ میں آسکتی ہے کہ دین کا ملخص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کی جائے اور بس۔ ارشاد ہے:

Marfat.com

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف : ۴۰)	سوائے اللہ کے کسی کو حکم دینے کا حق حاصل نہیں ۔

اور فرمایا:-

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال : ۳۹)	اور کافروں کے ساتھ لڑو، یہاں تک کہ کفر و شرک کا فتنہ ختم ہو جائے اور تمام تر اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو جائے (صرف اسی کا حکم مانا جائے)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ "یا رسول اللہ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو اس لیے جہاد کرتا ہے کہ اسے شجاع و بہادر کہا جائے ـــــ یا قومیت کی خاطر لڑتا ہے یا ریاکاری کی بنا پر تو کیا اسے مجاہد فی سبیل اللہ کا نام دیا جائے گا؟

آپؐ نے فرمایا:

مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	مجاہد فی سبیل اللہ وہ ہے جس نے اس غرض سے جہاد کیا کہ اللہ کے دین کا بول بالا ہو ۔

غلو فی التوحید بہت سے لوگ کسی خلیفہ یا عالم یا شیخ یا امیر کو اس حد تک محبوب سمجھنے لگتے ہیں کہ اس کو خدا کا شریک بنا دیتے ہیں اور گو وہ بظاہر یہی کہتے ہیں کہ ہماری محبت ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے لیکن جو شخص سوائے رسولؐ کے کسی اور کو یہاں تک بڑھا دیتا ہے کہ اس کے ہر ایک امر اور نہی کو بغیر چون و چرا کے تسلیم کر لیتا ہے، چاہے اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت ہوتی ہو تو سمجھ لو کہ اس نے اس کو خدائے تعالیٰ کا شریک بنا لیا ۔

Marfat.com

پیری مریدی کا جوشِ جنون اور کچھ بعید نہیں کہ عقیدت کا جوش اس کو اپنے محبوب کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنے پر آمادہ کرے جو نصاریٰ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا اپنے احبار اور رہبان کے ساتھ کرتے ہیں، یعنی قضائے حاجات کے لیے اس کو پکارنے لگے۔ اس سے فریاد خواہی کرے، اس کے دوستوں سے محبت رکھے اور اس کے دشمنوں کو مبغوض سمجھے اور ہر ایک بات میں اس کی اطاعت کو لازم سمجھے۔[1]

بے شک یہ ارشاد باری تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کے حق میں نازل ہوا ہے کہ:-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ (البقرہ : ۱۶۵)	لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو غیر اللہ کو اس کا شریک گردانتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں کہ جیسی اللہ کے ساتھ کرنی چاہیئے۔

[1] جیسے کہ اکثر مرید اپنے پیروں کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں اور اپنے عقیدہ کی ترجمانی کے لیے یہ شعر زباں پر لاتے ہیں ؎

بہ مئے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید (مترجم)

Marfat.com

ایمان اور سلام کا مفہوم

عقائد و اعمالِ قلب الغرض قلب کے اعمال میں بھی توحید اور شرک کی ویسی ہی حکومت ہے جیسی کہ قلب کے عقائد میں چنانچہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

التوحید قول القلب و	توحید دل کا قول ہے اور توکل اس
التوکل عمل القلب	کا عمل ہے۔

اس توحید قولی سے آپ کی مراد قلب کی تصدیق ہے کیونکہ اس کو توکل کے مقابلہ میں استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ ویسے اگر توحید کا لفظ استعمال کیا جائے تو وہ قلب کے قول (یعنی اس کی تصدیق) اور اس کے عمل دونوں کو شامل ہوتا اور توکل بھی توحید کا تتمہ ہے۔

اس کی مثال بعینہٖ ایمان کے لفظ کی ہے کہ اگر اس کو علیحدہ استعمال کیا جائے تو تمام ظاہر اور باطن کے اعمال اس کے مفہوم میں داخل ہوتے ہیں۔ عام طور پر سلف کا یہ قول مشہور ہے کہ:

"الایمان قول و عمل" جس کے یہ معنی ہیں کہ "ایمان، قلب اور زبان کے قول اور قلب اور جوارح کے اعمال کا نام ہے"

صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

الایمان بضع و ستون شعبة	ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں
اعلاھا قول لا الہ الا اللہ	اعلیٰ شاخ لا الہ الا اللہ کہنا اور ادنیٰ ترین
و ادناھا اماطة الاذی عن	شاخ یہ ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ

Marfat.com

الطریق والحیاء شعبة من الایمان

چیز کو ہٹا دیا جائے اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○	یقیناً مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے ہیں اور پھر انہوں نے کبھی اس میں شک نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ایمان دار ہیں۔ (الحجرات: ۱۵)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ---------- (الانفال: ۲تا۴)	یقیناً مومن وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاوے تو ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں تو ان کی تلاوت ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں۔ اور وہ صرف اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو نماز کو قائم رکھتے اور جو چیز ہم نے ان کو بخشی ہے اس سے کچھ خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں۔

تیسری جگہ فرمایا:

Marfat.com

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ	سچے مسلمان تو وہی لوگ ہیں جو اللہ اور
اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	اس کے رسولؐ پر ایمان رکھیں اور جب
وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰى	کبھی رسولؐ کے ہمراہ کسی جمعیت کے کام
اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا	میں جاتے ہیں تو اس کی اجازت کے
حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ (النور: ۶۲)	بغیر ادھر ادھر کہیں نہیں جاتے۔

ہر مسلم مومن نہیں ایمان کا لفظ مطلق ذکر کیا جائے تو وہ اسلام کے مفہوم کو بھی شامل ہوتا ہے جیسا کہ صحیحین کی ایک حدیث ہے کہ جب قبیلہ عبدالقیس کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ:

اٰمُرُكُمْ بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ	میں تم کو ایک خدا پر ایمان لانے کا حکم
اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِيْمَانُ	دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ خدا پر ایمان
بِاللّٰهِ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ	لانے کے کیا معنے ہیں؟ اس کے یہ
اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا	معنی ہیں کہ تم اس بات کی شہادت
رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ	دو کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی
وَاِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَاَنْ	معبود نہیں اور حضرت محمدؐ اس کے رسول
تُؤَدُّوْا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ	ہیں، نماز قائم رکھو، زکوٰۃ دیا کرو اور جو
----------	کچھ مال غنیمت تمہارے ہاتھ آئے اس
----------	کا پانچواں حصہ بیت المال میں ادا کیا کرو۔

اسی بنا پر سلف فرماتے ہیں کہ،

كُلُّ مُؤْمِنٍ مُّسْلِمٍ وَلَيْسَ	ہر ایک مومن، مسلم ہے لیکن ہر ایک
كُلُّ مُسْلِمٍ مُّؤْمِنٍ	مسلم مومن نہیں ہے۔

حقیقتِ ایمان، اسلام، احسان الغرض مطلق ایمان کا لفظ استعمال ہو تو اعمال

Marfat.com

اس کے مفہوم میں داخل ہوتے ہیں جیسے کہ تفصیل بالا سے ظاہر ہے لیکن اگر اس کے مقابلے میں اسلام یا عمل کا ذکر کیا جائے تو وہاں پر ایمان کا مفہوم یقین قلبی تک محدود رہتا ہے جیسے کہ کلام پاک میں کثرت سے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مذکور ہے۔

صحیحین کی ایک حدیث ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے ایک آدمی کی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان، اسلام اور احسان کی حقیقت دریافت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

○ اَلْاِیْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ	ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں پر یقین کرو۔ مرنے کے بعد زندہ ہونے کی تصدیق کرو اور خیر و شر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہونے کو تم باور کرو
○ اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْھَدَ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَ تُقِیْمَ الصَّلٰوۃَ وَ تُؤْتِیَ الزَّکٰوۃَ وَ تَصُوْمَ رَمَضَانَ وَ تَحُجَّ الْبَیْتَ	اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں اور نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج بجا لاؤ۔
○ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ	احسان کے معنی یہ ہیں کہ تم خدا تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر بالفرض تم اس کو دیکھ نہیں سکتے تو اس میں شک

Marfat.com

نہیں کہ وہ تم کو دیکھ سکتا ہے۔

اس حدیث میں ایمان اور اسلام کے مفہوم کو الگ الگ بیان فرمایا ہے لیکن اس سے پہلے جو حدیث مذکور ہے اس میں چونکہ صرف ایمان کا ذکر ہے (یعنی اس کے مقابلے میں اسلام وغیرہ مذکور نہیں) اسلام کے مفہوم کو بھی اس کے مفہوم میں داخل بتایا ہے۔

منقاد و مطیع کی تشریح | ظاہری اعمال، ایمان بالقلب کا نتیجہ اور اس کے مقتضی ہیں، جس کا بالفاظ دیگر یہ مطلب ہے کہ اگر دل میں ایمان ہوگا تو یہ ضروری ہے کہ جوارح سے بھی اس کے مناسب اعمال سرزد ہوں۔ ایمان بالقلب کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ نہ صرف اس کا دل جس چیز پر وہ ایمان لایا ہے اس کی بھی تصدیق کرے بلکہ اس کے لیے منقاد اور مطیع ہو جائے۔ اس لیے اگر کوئی شخص دل سے اس بات کی تصدیق کرے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں لیکن اس کے دل میں آپؐ کی نسبت بغض اور حسد بھرا ہوا ہے اور وہ آپؐ کی متابعت سے سرتابی کرتا ہے تو سمجھ لیں کہ اس کا دل مومن نہیں ہے۔

حواس و ادراک سے بالاتر امور | یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگرچہ ایمان کے مفہوم میں تصدیق کے معنی پائے جاتے ہیں لیکن ہر ایک تصدیق کو ایمان سے تعبیر نہیں کر سکتے مثلاً کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ دو کا نصف ایک ہے یا آسمان ہمارے سروں پر ہے یا زمین ہمارے قدموں کے نیچے ہے یہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کو ان باتوں پر ایمان ہے بلکہ ایمان کا اطلاق ان امور کی تصدیق پر ہوتا ہے۔ جو حواس کے ادراک سے بالاتر ہوں اور ان کا جاننا بدیہی نہ ہو، جیسے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے باپ سے کہا:

وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا	آپ ہماری بات کو ماننے والے نہیں ----------
(یوسف: ۱۷)	

Marfat.com

کیونکہ انہوں نے ایک ایسی خبر کی اطلاع دی تھی جو اُن سے پوشیدہ تھی اور وہ اس کے باور کرنے میں اختلاف کرتے تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ	پس موسےٰ پر سوائے اس کی قوم کے چند آدمیوں کے کوئی بھی ایمان نہ لایا۔ (یونس: ۸۳)

نیز فرمایا:

وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ	اور بعض ان میں سے وہ لوگ ہیں جو نبیؐ کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کان کے کچے ہیں۔ کہہ دو (اے نبیؐ) وہ تمہارے فائدے کے کان ہیں اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں پر یقین۔
(التوبہ: ۶۱)	

یہاں ایمان باللہ اور ایمان بالمومنین میں فرق کیا گیا ہے جس سے مراد مومنوں کی تصدیق کرنا ہے۔

بہرحال ایمان باللہ سے مقصود اقرار لسانی ہے جیسے فرعون اور اس کے سرداروں کا قول ہے جو حضرت موسےٰؑ اور ہارونؑ کے متعلق انہوں نے کہا۔ قرآن میں ہے:

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا	کیا ہم ان پر ایمان لائیں جو ہماری طرح دو آدمی ہیں۔
(المومنون: ۴۷)	

جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کا اقرار اور تصدیق نہیں کرتے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِيْقٌ	کیا تم اس بات کی امید رکھتے ہو کہ وہ تم پر ایمان لے آئیں گے، حالانکہ

Marfat.com

مِنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ	ان میں سے ایک گروہ اللہ کے کلام کو سنتا ہے اور پھر سمجھ لینے کے بعد اس کی تحریف کر دیتا ہے (البقرہ: ۷۵)

دوسرے معنی کے متعلق فرمایا:

يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (البقرہ: ۳)	وہ غیب کی حقیقتوں پر ایمان لے آتے ہیں۔

اور فرمایا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ: ۲۸۵)	جو کچھ اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے اس پر رسول اور مومن ایمان لاتے ہیں اور اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر (اور کہتے ہیں کہ) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے

اور دوسری جگہ فرمایا:

لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (البقرہ: ۱۷۷)	لیکن نیکی یہ ہے کہ جو شخص اللہ پر، آخرت کے دن پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتاب پر اور اس کے نبیوں پر ایمان لائے یعنی سب کا اقرار کرنا۔

اور اس طرح قرآن شریف میں کثرت سے آیات آئی ہیں۔

مومن اور کافر کی شناخت الغرض ایمان بعض امور غیبیہ کے ماننے کا نام ہے اور یہ بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے کہ قلب میں اس کی تصدیق پر عمل بھی پایا جائے۔

Marfat.com

کیونکہ اگر ایک آدمی جانتا ہے اور اس کو یقین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں لیکن اس کے دل میں ان کی محبت اور تعظیم نہیں بلکہ اس کے بجائے بغض اور حسد سے اس کا دل لبریز ہے اور وہ آپؐ کے اتباع کو اپنے لیے کسرِ شان سمجھتا ہے ایسے شخص کو مومن نہیں بلکہ کافر کہیں گے۔ ابلیس، فرعون، اور بعض اہل کتاب کا کفر اسی قسم کا ہے۔

انکارِ شیطانی کی نوعیت ابلیس اچھی طرح جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس پر شرف بخشا ہے اور اس کے حکم سے وہ ملائکہ کا مسجود قرار پایا ہے لیکن اس کا تکبر اس کو اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ حکمِ الٰہی عزوجل کی تعمیل میں اپنا سر خم کرے۔ اسی تکبر و غرور کی بدولت وہ راندۂ درگاہِ الٰہی قرار پایا۔

فرعون کا انکار اسی طرح فرعون بھی جانتا تھا کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام ایک سچا رسول ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا	باوجودیکہ فرعون اور اس کی قوم اپنے دلوں میں یقین کرتے تھے کہ حضرت موسےٰ کی لائی ہوئی نشانیاں سچی ہیں لیکن پھر بھی انہوں نے از راہِ تکبر و عناد ان کا انکار کیا۔
(النمل : ۱۴)	

دوسری جگہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کا قول منقول ہے جس سے آپ نے فرعون کو مخاطب فرمایا ہے۔ قرآن کا بیان ہے:

لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ	اے فرعون! بے شک تم جانتے ہو کہ یہ نشانیاں (جو چراغِ بصیرت ہیں) اسی خدا نے نازل فرمائی ہیں جو

Marfat.com

يَفِرُّوْنَ مَثْبُوْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۱۰۲)	آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور بیشک میں خیال کرتا ہوں کہ تم ہلاک ہو کر رہو گے۔

اہل کتاب کے حق میں وارد ہوا ہے۔ ارشاد باری ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ (البقرہ: ۱۴۶)	جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ رسول کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح کوئی اپنے بیٹے کو پہچانتا ہے (اور اس کی شناخت میں کبھی غلطی نہیں کرتا۔

علم اور عمل کی ناموافقت بنا بر دلائل مذکورہ بالا اگر دل میں علم تو ہو لیکن عمل قلب اس کے موافق نہ ہو تو یہ علم و دانش کچھ بھی مفید نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سخت ترین عذاب اس شخص کے لیے ہے جس نے اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں اکثر فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَنَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَدُعَاءٍ لَّا یُسْمَعُ وَقَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ	خدایا! میں تیری پناہ میں آتا ہوں، ایسے علم سے جو نفع رساں نہ ہو اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو اور ایسے قلب سے جو عاجزی نہ کرے۔

فرقہ جہمیہ کا اعتقاد بایں ہمہ فرقہ جہمیہ کا خیال ہے کہ صرف تصدیق قلبی کا نام ایمان ہے اور جہاں کہیں شریعت نے کسی کے حق میں یہ کہا کہ وہ مومن نہیں تو سمجھ لو کہ اس

Marfat.com

کے قلب میں تصدیق نہیں تھی لیکن ایسا خیال کرنا ایک بہت بڑی جہالت ہے اور ان کے اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ مومن اور کافر میں کچھ فرق نہیں۔ وکیع بن الجراح اور امام احمد بن حنبل وغیرہ ائمہ رحمہم اللہ نے ایسے لوگوں کو جن کا یہ اعتقاد ہو، کافر کہا ہے۔

تصدیقِ قلبی اور عملِ قلب

الایمان قولٌ وعملٌ | یہ ایک مانی ہوئی اور معلوم بات ہے کہ انسان بعض اوقات حق اور باطل کو پہچانتا ہے تاہم کسی خاص غرض کے لیے حق کو تسلیم کرنا اس پر شاق ہوتا ہے اور وہ اس کو مبغوض سمجھتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جو شخص ازراہِ تجرحق کا انکار کرتا ہے وہ دل میں بھی اس کی حقانیت کا قائل نہ ہو لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ ایمان کی حقیقت فقط تصدیقِ قلبی کا نام نہیں بلکہ عملِ قلب بھی اس میں شامل ہے جس کی پہلے تشریح کی گئی ہے اس لیے سلف صالحین فرمایا کرتے تھے کہ اَلْاِیْمَانُ قَوْلٌ وَعَمَلٌ

ایمان کا مقتضٰی | اب تم یہ سمجھ لو کہ جب دل میں تصدیق کامل کے ساتھ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کی محبت بھی بدرجہ اتم موجود ہو (جو بر حال ایمان کا مقتضٰی ہے) تو یقیناً اس محبت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے دل میں اعمالِ صالحہ کے لیے جازم ارادہ پیدا ہوگا۔ اس حالت میں اعمالِ صالحہ کا ظہور میں آنا قطعی ہے کیونکہ جازم ارادہ کے ساتھ اگر قدرت علی العمل بھی موجود ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ عمل جس کا ارادہ کیا گیا ہے ظہور میں نہ آئے کیونکہ یقینِ کامل کے ساتھ اعمالِ صالحہ لازمی ہیں۔

ارادہ اور قدرت کی کمزوری | کسی عمل کے وجود میں آنے سے صرف دو باتیں مانع

Marfat.com

ہو سکتی ہیں۔ ناقص اور کمزور ارادہ اور ناقص قدرت لیکن اگر ان دونوں صفات میں کوئی نقصان نہیں تو انعال اختیار کا وجود میں آنا قطعی اور لازمی ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ جب دل اس بات کا قائل ہے کہ حضرت محمدؐ اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپؐ کی محبت بھی علی الکمال قلب میں موجود ہے تو ممکن نہیں کہ وہ شخص باوجود قدرت کے زبان سے اقرار نہ کرے یہ اور بات ہے کہ گونگا ہونے کی وجہ سے یا کسی دوسرے عذر کی بنا پر وہ زبان سے شہادت کا اظہار کرنے سے قاصر ہو ورنہ دلی جذبات کا اقرار لسانی ضروری ہے۔

نقصِ یقین ابی طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کو اگرچہ اس بات کا یقین تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں۔ ساتھ ہی اس کو آپؐ سے محبت بھی تھی لیکن اس کی یہ محبت اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں تھی بلکہ اس کی محبت خون کے تعلق پر مبنی تھی کیونکہ آپؐ اس کے بھتیجے تھے اور وہ آپؐ کا غلبہ اور تفوق اس لیے نہیں چاہتا تھا کہ آپؐ خدائے تعالیٰ کے رسول ہیں بلکہ اس لیے کہ آپؐ کے غلبہ اور تفوق حاصل کرنے میں خود اس کی اپنی عزت اور تفوق کا راز مضمر تھا لیکن جب اس کی موت کا وقت قریب آگیا اور دنیاوی تفوق کے متعلق اس کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں تو اس نے اپنے آبا و اجداد کے دین پر قائم رہنے کو بھتیجے کی رضامندی حاصل کرنے پر ترجیح دی اور توحید و رسالت کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کی محبت ابوبکر صدیق، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر مومنوں کی طرح نہیں تھی جو آپ کو اس لیے محبوب سمجھتے تھے کہ آپؐ خدا کے برگزیدہ سچے رسول ہیں۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لہ جملہ مفسرین کے نزدیک یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کے حق میں نازل ہوئی ہے اور آپ کا سارا مال و دولت رضائے الٰہی کے حصول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقف تھا۔ (ناشر)

Marfat.com

وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ○ الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ○ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى ○ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ○ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ○

(اللیل: ۱۷ تا ۲۱)

عنقریب اس دوزخ سے وہ بڑا پرہیزگار بچالیا جائے گا جو اپنا مال تزکیہ حاصل کرنے کو دیتا ہے اور کسی کا اس پر احسان نہیں تھا کہ اس کا وہ بدلہ اتارتا ہے۔ صرف اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کو خرچ کرتا ہے۔ وہ جلد راضی ہو جائے گا۔

اور یہی وجہ تھی کہ ابوطالب کے تمام اعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی اور آپؐ کی نصرت و تائید سب اکارت ہو گئے کیونکہ ان اعمال سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا اس کا مقصود نہیں تھا۔

ضرورتِ ایمان اور توحید اس سے صاف اور واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ایمان اور توحید میں تصدیقِ قلبی کے ساتھ ساتھ عملِ قلبی کی بھی ضرورت ہے پس دین خالص وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور دین کامل نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ عمل کی تصدیق شامل نہ ہو کیونکہ دین اطاعت اور عبادتِ الٰہی کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں دو سورتیں توحید کے بارے میں نازل فرمائی ہیں، ایک سورۂ اخلاص اور دوسری سورہ "الکٰفرون"۔ ان میں سے پہلی سورت توحید عملی اور توحیدِ قولی پر مشتمل ہے جسے فرمایا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○

(اے نبیؐ!) فرما دیجئے اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ کوئی اس کا باپ اور نہ اس کا کوئی ثانی و ہمسر ہے۔

Marfat.com

اور دوسری سورہ کا مضمون ارادہ اور عمل کی توحید ہے جیسے فرمایا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

(الکفرون: آیا ۶)

اے نبی! کہہ دو کہ اے قوم کفار! میں اس کی پرستش نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو اور تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس کو میں پوجتا ہوں اور نہ میں اس کی عبادت کرونگا جسے تم پوجتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

پہلی سورہ میں ان صفاتِ علیا کا بیان ہے جس سے علمی توحید کے مختلف پہلو واضح ہوتے ہیں اور دوسری میں غیر اللہ کی عبادت سے بیزاری کا نہایت مؤکد اظہار ہے اور یہ کہ عبادت خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

Marfat.com

توکّل اور عبادت کا مفہوم

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں. بعض الفاظ مثلاً "ایمان" وغیرہ ایسے ہیں کہ جب وہ کسی دوسرے لفظ مثلاً "اسلام" وغیرہ کے مقابلے میں مذکور ہوں تو ان کا مفہوم محدود ہوتا ہے لیکن الگ استعمال کیے جانے کی حالت میں ان کا مفہوم بہت وسیع ہوتا ہے۔ اسی طرح "عبادت" کا لفظ بھی اگر توکل وغیرہ سے علیحدہ استعمال کیا جائے تو توکل اور دوسرے مقامات اس کے مفہوم میں داخل سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○	جنوں اور انسانوں کو اس لیے میں نے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (الذاریات: ۵۶)

اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ	اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ (البقرہ: ۲۱)

یہاں جو عبادت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ تمام مامورات کی بجاآوری اور تمام منہیات سے باز رہنے کے مفہوم پر مشتمل ہے لیکن ایک دوسری جگہ توکل کو اس پر عطف کیا گیا ہے۔ جو مغائرت کی دلیل ہے۔ فرمایا ہے:

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ	تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ (النحل: ۱۲۳)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

Marfat.com

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحہ)	ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

یہاں عبادت کا مفہوم محدود ہے۔

معانی عموم وخصوص وہ الفاظ جو کبھی عموم اور کبھی خصوص کے معنی دیتے ہیں منجملہ ان کے ایک لفظ "منکر" ہے جو اکثر "معروف" کے مقابلے میں استعمال ہو کر عموم کے معنی دیتا ہے مثلاً مسلمانوں سے خطاب ہے کہ ان کا اصلی مشن کیا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اٰل عمران: ۱۱۰)	تم سب امتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لیے بھیجے گئے ہو۔ اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو۔

یا جیسے رسولِ خدا کو حکم ہوا کہ یہود و نصاریٰ سے اس طرح خطاب کریں:

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ (الاعراف: ۱۵۷)	آپ ان کو نیک کام کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔

یعنی ہر ایک ایسی بات کہ عقل، شرع اور فطرت اس کا انکار کرے اور اس کو برا سمجھے اسے "منکر" سے تعبیر کیا ہے، اس میں ہر قسم کی بے حیائی بھی داخل ہے لیکن ذیل میں بے حیائی کو اس کا معطوف علیہ بنایا ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ منکر کو محدود مفہوم کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ	بیشک نماز کی پابندی انسان کو بے حیائی اور دوسرے برے کاموں سے روکتی ہے۔

اور فرمایا: (العنکبوت: ۴۵)

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ	بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم انصاف
الْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی	کرو، احسان کرو، رشتہ داروں کو کچھ دیا
الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ	کرو اور بے حیائی اور برے کاموں سے
الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ	بھی وہ تم کو منع کرتا ہے۔ (النحل: ۹۰)

اسی طرح فقراء اور مساکین کا لفظ اگر ساتھ ساتھ استعمال کیا جائے تو ان دونوں کے مفہوم میں فرق ہوتا ہے لیکن الگ الگ استعمال ہوں تو ایک کا مفہوم دوسرے کے مفہوم میں داخل سمجھا جاتا ہے۔

مفہوم محبت، توکل، خوف الغرض خالص اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھنا، فقط اسی کی ذات پر بھروسہ کرنا، صرف اسی سے ڈرنا اور کسی دوسرے کا خوف دل میں نہ لانا، یہ سب باتیں توحید کے مفہوم میں داخل ہیں۔ محبت کے بارے میں یہ آیت کئی بار پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ	بعض لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو
مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ	اس کا شریک بناتے ہیں اور ان کے
کَحُبِّ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا	ساتھ خدا کی طرح محبت رکھتے ہیں لیکن
اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ	جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ
----------	کے ساتھ ان سے زیادہ محبت رکھتے
(البقرہ: ۱۶۵)	ہیں۔

اور فرمایا:

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ	(اے نبیؐ!) ان سے کہو کہ اگر تمہارے باپ
وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ	اور تمہارے بیٹے اور بھائی اور تمہاری
وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ	بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور

Marfat.com

اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ

التوبہ: ۲۴

تمہارا جمع کیا ہوا مال اور تمہاری تجارت کہ جس کی کساد بازاری کا خوف رکھتے ہو نیز تمہارے پسندیدہ مکان اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسولؐ سے اور اللہ کے رستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو اس وقت کے منتظر رہو جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو تمہارے سامنے لے آئے۔

اور فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝

(النور: ۵۲)

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی خاطر پرہیزگاری کرے پس ایسے لوگ ہی کامیاب ہوں گے۔

یہاں اطاعت کو اللہ اور رسول دونوں کے لیے بیان فرمایا ہے اور خشیت اور تقویٰ کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر رکھا۔ اور فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝

(التوبہ: ۵۹)

اور اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے دیے ہوئے پر راضی ہو جاتے اور کہہ دیتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اور اس کا رسولؐ اپنے فضل سے جلد ہی اور زیادہ دے دیں گے اور ہم اللہ کی طرف ہی راغب ہیں۔

اور فرمایا:

Marfat.com

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ○ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ○ (الانشراح: ۷،۸)	(اے نبی!) جب (تبلیغ سے) فراغت پاؤ تو ریاضت کرو اور اپنے رب کی طرف رغبت کرو۔

یہاں ریاضت اور رغبت صرف اللہ کے لیے قرار دی۔

دوسری جگہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھنے کے نتیجہ کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ	تم کوئی ایسی قوم نہیں پاؤ گے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے ہوں اور پھر وہ ان لوگوں سے محبت کریں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ چاہے وہ لوگ اس کے سگے باپ یا بھائی ہوں یا ان کے عزیز لخت جگر یا قبیلہ کے آدمی ہوں۔
(المجادلہ: ۲۲)	

توکل کے متعلق کئی جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○	اگر تم مومن ہو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر بھروسہ رکھو۔ (المائدہ: ۲۳)

خشیت کے باب میں ارشاد ہوتا ہے:

وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ (الاحزاب: ۳۹)	(اللہ کے رسول) اللہ ہی سے ڈرتے ہیں اور سوائے اللہ کے اور کسی کا خوف دل میں نہیں لاتے۔

Marfat.com

ان سب باتوں کا ذکر ہم نے کسی دوسری جگہ پر پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔

خلاصۂ بحث یہاں پر ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس قول میں "لا الہ الا انت" توحیدِ الوہیت کا اعتراف ہے اور اس کے مفہوم میں قلب کی تصدیق اور اس کا عمل دونوں شامل ہیں۔ مشرکینِ عرب کو اس بات کا اقرار تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی سب اشیاء کا خالق اور رازق ہے لیکن وہ الوہیت میں دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے تھے حالانکہ توحید الوہیت کے یہ معنی ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی عبادت نہ کی جائے اور سوائے اس کے کسی اور کو قبلۂ حاجات نہ ٹھہرایا جائے۔ روزمرہ ہر ایک نماز کی ہر ایک رکعت میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہہ کر اسی عقیدہ کا اظہار اور اس کی تجدید کی جاتی ہے۔

نام نہاد صوفیہ کو نصیحت

غیر مشروع توجہات بعض اوقات آدمی صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے اور اسی کی ذات پاک پر اس کا بھروسہ ہوتا ہے لیکن اس کا یہ سوال اور اس کا یہ توکل ان امور کی بابت ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا، بلکہ ان سے اس کو منع فرمایا ہوتا ہے اس سے ہماری مراد وہ نام نہاد صوفیہ ہیں جو غیر مشروع توجہات کے حامل ہیں اور ان کا کشف اور تصرف ان امور سے تعلق رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف ہیں۔

اِن کا مطمحِ نظر اکثر ان میں سے اللہ ہی سے مدد کے خواہاں ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ دنیاوی زندگی میں کامیاب

Marfat.com

ہوں تو ہوں لیکن آخرت میں ان کو کسی بہتری کی توقع نہیں رکھنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝
(بنی اسرائیل: ۶۷)

جب تم کو سمندر میں مصیبت پہنچتی ہے تو تم جن کی خدا کے سوا عبادت کرتے ہو انہیں بھول جاتے ہو، پھر جب اللہ تمہیں خشکی پر بچا لاتا ہے تو تم اس سے اعراض کر لیتے ہو، بیشک انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

اور فرمایا:

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ----------
(یونس: ۱۲)

جب انسان کو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارنے لگتا ہے۔ خواہ پہلو پر لیٹا ہو یا بیٹھا ہو یا کھڑا ہو، پھر جب ہم اس کی مصیبت دور کر دیتے ہیں تو اس طرح گذر جاتا ہے گویا اس نے ہمیں اس مصیبت کے لیے پکارا ہی نہ تھا جو اسے پہنچی تھی۔

اصلاحِ حال کی راہ

اس لیے اپنی آخرت کو سنوارنے کے لیے اپنی زندگی کی جملہ حرکات و سکنات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وقف کر دینا لازم ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا

اگر یہ لوگ مومن ہوں تو سب سے مقدم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خوشنودی

Marfat.com

مُؤْمِنِيْنَ ○ | حاصل کرنا ان پر لازم ہے۔

سالکانِ راہ کی کوتاہیاں | بعض دوسرے لوگوں کا نصب العین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت ہوتی ہے لیکن توکل اور استعانت باللہ کے مقام سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنی نیک نیتی اور خدا و رسول کی اطاعت کا یقیناً ثواب ملے گا لیکن جب تک وہ اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرنے اور اسی کی ذات پاک پر بھروسہ رکھنے میں ثابت قدم نہ ہوں، اولاً تو ان کی کامیابی مشکوک ہے اور اس لیے بعض ان میں سے اثنائے سلوک میں ہی ہمت ہار جاتے ہیں۔ ثانیاً اگر وہ منزلِ مقصود تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو خود بینی میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید سے محروم رہ جاتے ہیں۔ انہی حالتوں پر یہ آیت شریفہ صادق آتی ہے:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ	اور جب جنگ حنین کے دن تم کو
كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ	تمہاری کثرت نے مغرور کر دیا تو تمہیں
عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ	کوئی چیز کفایت نہ کر سکی اور (بہ سبب
عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا	شکست کے) زمین بھی تم پر تنگ ہو
رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ	گئی اس لیے کہ تم نے خدا کا توکل چھوڑ
مُّدْبِرِيْنَ ○ (التوبہ: ۲۵)	دیا پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔

اس کے بعد فرمایا:

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ	پھر اللہ اس کے بعد جس کی چاہے
ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَ	گا اپنی رحمت سے توبہ قبول کرے گا
اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○	اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے

امراضِ ریاء و عجب کا علاج | اکثر اوقات ریا اور عجب (نمود اور خود بینی) کی صفت ایک سا منہ نمودار ہوتی ہے کیونکہ ان کی حقیقت ایک دوسرے کے قریب

Marfat.com

قریب ہے۔ ریا میں کسی دوسری مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنایا جاتا ہے[1] اور عجب میں اپنے نفس کو خدا کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے[2] اِیَّاکَ نَعْبُدُ پہلے مرض کا علاج ہے اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ دوسرے روگ کے استیصال کے لیے ہے۔ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ:

ثَلَاثٌ مُّهْلِكَاتٌ شُحٌّ	تین چیزیں انسان کو ہلاک کر دیتی ہیں
مطاعٌ وَ هَوًى مُتَّبَعٌ	بخل اور حرص کے محرک پر عمل کرنا،
وَ اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ	خواہش نفس کی پیروی کرنا اور خود بین ہو جانا۔

جھوٹے پیروں کا فرقہ ان دونوں فرقوں سے بدتر ایک اور فریق ہے جن کی نہ تو عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ سے استعانت کرتے ہیں، ان کی عبادت غیر اللہ سے ہوتی ہے۔ اس لیے یہ لوگ دونوں لحاظ سے مشرک ہیں۔ انہی میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو شیاطین سے استعانت کرتے ہیں اور ایسے اعمال بجا لاتے ہیں جن کو شیاطین پسند کرتے ہیں مثلاً کذب اور فجور۔ نیز وہ ان الفاظ میں دعائیں کرتے ہیں جن کو شیطانی القاء کا نتیجہ کہیں تو بجا ہوگا اور ایسے عملیات کا ورد کرتے ہیں جن کی وجہ سے شیطان ان کے مطیع ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات ان لوگوں سے اس قسم کے افعال سرزد ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھ پر ایسے واقعات اور کیفیات ظہور میں آتی ہیں جن کو ان کے معتقدین خارقِ عادت ہونے کی وجہ سے ولایت اور کرامت

---

[1] یعنی جو کام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا چاہیے تھا وہ دوسروں کی نمائش کے لیے کیا جاتا ہے۔

[2] خدائے تعالیٰ کی تائید اور اعانت اور اس کی توفیق اور عنایت اس کو ملحوظ نہیں رہتی، بلکہ وہ اپنی ہی قوت پر نازاں ہوتا ہے اور قارون کی طرح سمجھنے لگتا ہے:۔

اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ

Marfat.com

خیال کرتے ہیں لیکن درحقیقت وہ سحر اور کہانت کی ایک قسم ہے۔ مومنوں کو چاہیے کہ وہ احوالِ ایمانیہ اور احوالِ شیطانیہ میں فرق کر لیا کریں۔

عقیدۂ اہلِ توحید | پوتھی جماعت اہلِ توحید کی ہے جن کا دین خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔ وہ اسی کی عبادت کرتے اور اسی کی ذاتِ پاک پر بھروسہ رکھتے ہیں کسی مصیبت زدہ کا یہ قول کہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ" یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ اس کے قائل کے مدنظر ایک ہی قسم کی توحید ہو (مثلاً توحید ربوبیت) لیکن جس پر اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت ہو، وہ دونوں قسم کی توحید کو ملحوظ رکھتا ہے۔ جو مصیبت زدہ اور صاحب حاجت شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ کہتے ہوئے صرف اس بات کا استحضار کرتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ اور کوئی بھی ضرر کا دفع کرنے والا نہیں، اور نعمتیں بھی وہی نازل فرماتا ہے تو اس کا یہ عقیدہ، توحید ربوبیت پر مبنی ہے۔ سوال، طلب اور توکل کے لحاظ سے بھی وہ موحد ہے لیکن توحیدِ الوہیت کا مقام اس سے بالاتر ہے۔

توحیدِ الوہیت کا مقتضٰی یہ ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی عبادت نہ کرے اور نیز اس کی عبادت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی تعلیم کے موافق اور ان کی اطاعت پر مبنی ہو۔ ایسا شخص اس آیت شریفہ پر عامل ہے،

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (ہود: ۱۲۳)	اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔

اور فرمایا:

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ○ (ہود: ۸۸)	میرا اسی (خدا کی) ذات پر بھروسہ ہے اور اسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔

اور فرمایا:

Marfat.com

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ	اور یاد کر نام اپنے پروردگار کا اور جھک
تَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ○	جا اس کی طرف پورا جھکنا، وہی رب
رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ	ہے مشرق اور مغرب کا، نہیں ہے
لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ	کوئی معبود اس کے سوا، پس اسی
وَكِيلًا ○ (مزمل: ۸، ۹)	رب کو اپنا کارساز پکڑ۔

ایسے شخص کا مطلوب اگر کوئی حرام چیز ہے تو اس کے لیے سوال اور طلب کرنے کی وجہ سے گناہ ہوگا چاہے اس کی حاجت پوری ہو جائے اور اگر وہ کسی مباح چیز کا طلبگار ہے تو اس کے لیے ثواب یا عذاب کچھ نہیں لیکن اگر وہ کسی ایسی چیز کو خدائے تعالیٰ سے مانگتا ہے جو عبادت میں اس کے لیے معاون ہے تو بے شک ایسے شخص کو اجر ملے گا۔

بندہ پیغمبر اور بادشاہ پیغمبر

آنحضرتؐ کی ترجیح اس تحقیق سے معلوم ہوگیا کہ بندہ پیغمبر اور بادشاہ پیغمبر میں کیا فرق ہے؟ وہ حدیث تمہیں یاد ہوگی جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا کہ وہ بندہ اور پیغمبر ہو کر رہیں یا بادشاہ پیغمبر کی زندگی بسر کریں چنانچہ آپ نے بندہ پیغمبر کی زندگی کو ترجیح دی۔

حکم مرسل کی تعمیل و تبلیغ بندۂ پیغمبرؐ کے یہ معنی ہیں کہ اس کے تمام حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتے ہیں۔ وہ کوئی ایسا فعل نہیں کرتا جس کی بابت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو حکم نہ دیا گیا ہو۔ اس لیے بندہ پیغمبر کا ہر ایک فعل، حرکت اور

Marfat.com

سکون عبادت ہے، وہ محض بندہ ہوتا ہے جس کا یہ کام ہوتا ہے کہ اپنے مرسل کے احکام کی تعمیل اور تبلیغ کرے۔

صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول منقول ہے کہ:

انی واللہ لا اعطی احدا	خدا کی قسم! میں نہ کسی کو کوئی چیز دیتا ہوں
ولا امنع احدا وانما انا	اور نہ ہی کسی چیز کا دینا روکتا ہوں۔
قاسم اضع حیث امرت	بیشک میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں
	جو کچھ مجھے حکم ہوتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں

آپؐ کا منع اور عطاء آپؐ کا یہ قول کہ کسی کو کچھ نہیں دیتا اور نہ ہی کسی چیز کا دینا روکتا ہوں"۔ اس بنا پر نہیں کہا گیا کہ قضاء و قدر نے آپؐ کو مسلوب الاختیار کر رکھا ہے کیونکہ جہاں تک قضاء و قدر کا تعلق ہے اس میں سب برابر ہیں۔ آپؐ کی کچھ بھی خصوصیت نہیں، بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ شرعاً دینے یا نہ دینے میں میرا کچھ دخل نہیں۔ بالفاظِ دیگر میں اسی کو دیتا ہوں جس کے دینے کا مجھے حکم ہوتا ہے اور وہی چیز کسی سے روکتا ہوں جس کے روکنے ہی کا مجھے حکم دیا جاتا ہے، یعنی جس طرح میرے تمام افعال اور حرکات اس کی قضاء و قدر کی صفتِ تکوین کے ساتھ وابستہ ہیں اسی طرح میرے تمام حرکات و سکنات (دینا اور نہ دینا وغیرہ وغیرہ) اس کے احکامِ تشریعی کے تحت تنفیذ ہیں۔ الغرض میں عطاء اور منع دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام کا انتظار کرتا ہوں اور حکم ملنے پر اس کی تنفیذ کرتا ہوں۔ اموالِ صدقہ اور اموالِ غنیمت وغیرہ کو اپنی رائے کے موافق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم کرتا ہوں۔

فقہاء کی غلط توجیہیں اسی سلسلہ میں یہ نکتہ بھی یاد رکھو کہ قرآن کریم میں جہاں مال کی اضافت اور نسبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی طرف کی گئی ہے، اس کا یہ مطلب ہے کہ اس مال کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں خرچ کیا جائے

Marfat.com

اور جیسے کہ بعض فقہاء کا قول ہے کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ مال کی تکوین اور تخلیق کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا ہے کیونکہ اس لحاظ سے تو ہر ایک مال اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ مال غنیمت کی کیا تخصیص ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ (الانفال: ۱)	اے نبی! فرما دیجیے، مال غنیمت تو اللہ اور اس کے رسولؐ کا حق ہے۔

اور فرمایا:

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ (الانفال: ۴۱)	لوگو! تم ایک بات کو بخوبی سمجھ لو کہ جو کچھ مال و دولت غنیمت کے طور پر تم کو حاصل ہو تو بلاشبہ اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا حق ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ (الحشر: ۵)	اور جو مالِ فے اللہ نے اپنے رسولؐ کو دلا دیا ہے اس طرح پر کہ تم کو اس پر گھوڑے اور اونٹ دوڑا کر فوج کشی نہ کرنی پڑی (بلکہ) بلا محنت و مشقت حاصل ہوا ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

وَ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی (الحشر: ۶)	(بنو نضیر خیبر والوں کی بستی ختم ہوئی) تو اس سے جو مال بغیر لڑائی کے حاصل ہوا ہے وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا حق ہے تاکہ ذی القربیٰ کو دیا جائے

Marfat.com

اسی طرح یہ بھی مراد نہیں کہ وہ مال رسولؐ کی ملک ہے جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے۔ جن فقہاء کا یہ قول ہے انہوں نے متعدد وجوہ سے غلطی کی ہے:

۱۔ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اموالِ غنیمت اور دیگر اموال کے نہ تو اس طرح مالک تھے جس طرح عام لوگ اپنی کسی مملوک چیز کے مالک ہوتے ہیں، اور نہ ہی وہ آپؐ کو حق تصرف حاصل تھا جو بادشاہوں کو شاہی خزانے کا مال صرف کرنے کی بابت حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ عام لوگ اپنے اموال کو اپنی ذاتی اغراض کے حصول کے لیے خرچ کرتے ہیں اور بادشاہ اور سلاطین اپنی اور اپنے وزراء کی رائے اور صوابدید کے مطابق مصالح ملک و ملت کو ملحوظ رکھ کر اپنے خزانہ کو صرف میں لاتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "بندہ پیغمبر" ہونے کی وجہ سے اس قسم کا تصرف نہیں کرتے تھے بلکہ عطا اور منع دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل درآمد فرماتے تھے اس لیے آپؐ کی ہر حرکت اور سکون عبادت تھی۔ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ رسول اللہ کو خمس میں تصرف کرنے کا حق حاصل تھا، جیسے امام شافعی، امام احمد اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے اقوال میں پایا جاتا ہے لیکن یہ غلط ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مال، میراث کے طور پر ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں کیا جاتا۔ اس حکم میں تمام انبیاء یکساں ہیں، چاہے وہ بادشاہ پیغمبر ہوں یا بندہ پیغمبر اور کوئی نبی یا رسول مال کا مالک نہیں ہوتا جس طرح دوسرے عام لوگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کا مال میراث کے طور پر تقسیم ہونے سے یہ امر زیادہ واضح ہوتا ہے۔ اب تم خود سوچ لو کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جو بادشاہ پیغمبر نہیں بندہ پیغمبر تھے کس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی مال آپؐ کی ملک تھا اور اگر آپؐ بادشاہ پیغمبر ہوتے تو آپؐ کو

Marfat.com

مصلحتِ ملکی میں خرچ کرنے کا حق حاصل ہوتا جیسے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا حال تھا۔ فرمایا،

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (صٓ: ۳۹)	یہ ہماری بخشش ہے اب تم جس کو چاہو بخش دو یا روک دو۔ یہ بے حساب مال و دولت ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان اور اپنے عیال پر بقدرِ ضرورت خرچ کرتے اور باقی سب مال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے راہِ خدا میں صرف فرماتے تھے اپنے پاس کچھ بھی ذخیرہ نہیں فرماتے تھے لیکن تم جانتے ہو کہ عام مالکوں کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں جس قدر مال تھا وہ سب اللہ اور رسول کا مال تھا جس کے یہ معنی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرتے اور اللہ تعالیٰ ہی کے احکام کے موافق اس کی تقسیم فرماتے تھے۔

۴۔ **آنحضرتؐ کا اجتہاد اور حکم صریح** چوتھے البتہ جن اموال کو وہ اس طرح مستحقین میں تقسیم فرماتے وہ دو قسم کے تھے،

۱۔ ایک وہ جن کے مصرف کی بابت آپ کو صریح حکم ملتا۔

۲۔ دوسرے وہ جن کا صرف کرنا آپؐ کے اجتہاد اور صوابدید پر مفوض کیا جاتا۔

جیسے کہ دوسرے امورِ شرعیہ میں بھی بعض چیزیں یعنی ان کے احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین اور محدود ہوتے ہیں مثلاً نماز پنجگانہ اور سال بھر میں ایک مہینہ کے روزے رکھنا وغیرہ۔ لیکن بعض چیزوں کے متعلق مخصوص وقت اور مخصوص مکان کو ملحوظ رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد کے بموجب عمل پیرا ہوتے تھے لیکن یاد رہے کہ یہ اجتہاد بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق

Marfat.com

اور اس کی طرف سے تلقین پر مبنی ہوتا تھا مثلاً بیوی کا نفقہ شرع کی طرف سے بلحاظ مقدار اور نوعیت کے مقرر نہیں بلکہ اس کی مقدار اور اس کی نوعیت کی تعیین عرف پر چھوڑ دی گئی ہے جو لوگوں کے مختلف طبقات کے مختلف طرز ہائے معاشرت کا لحاظ کر کے کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ جمہور فقہاء قول ثانی کے مؤید ہیں اور یہ درست ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندہ سے فرمایا تھا:

خُذِیْ مَا یَکْفِیْكِ وَ وَلَدَكِ	اس قدر کفاف لے لو جو تمہارے لیے اور تمہارے بچہ کے لیے کافی ہو (دستور کے مطابق)

نیز عرفہ کے دن خطبہ میں فرمایا:

لِلنِّسَآءِ کِسْوَتُهُنَّ وَ نَفَقَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ	عورتوں کے لیے کپڑا پہنانا اور انہیں نان نفقہ دستور کے مطابق دیا جائے۔

صوابدید رسول اور حکم الٰہی الغرض جن امور کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اضافت اور نسبت کی گئی ہے اس کی تقسیم اور اس کا اعطاء و منع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صوابدید پر منحصر ہے برخلاف اس کے بعض اموال مستحقین کو خود اللہ تعالیٰ نے معین فرمادیا ہے۔ اور ان کا حصہ بھی معلوم کر دیا ہے جس میں کمی بیشی کا احتمال نہیں۔ مثلاً مالِ میراث کی تقسیم۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

لَیْسَ لِیْ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ اِلَّا الْخُمُسَ وَ الْخُمُسُ مَرْدُوْدٌ عَلَیْكُمْ	جو کچھ تم کو اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت دیا ہے اس میں میرا کچھ بھی نہیں۔ البتہ اس کا پانچواں حصہ میرا ہوتا ہے اور وہ بھی تم پر لوٹا دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ ۵/۴ حصہ مالِ غنیمت کا حکم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم اور معین ہے کہ وہ ان لوگوں کا حق ہے جو واقعہ میں حاضر تھے، صرف ۵/۱ حصہ ایسا ہے جس کا صَرف کرنا میرے اجتہاد اور صوابدید پر رکھا گیا ہے اور یہی وجہ تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو اس خمس میں تصرف کرنا خلفائے راشدینؓ کا حق قرار پایا جس کو وہ اپنی صوابدید کے مطابق مستحقین میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ نبی کریمؐ نے جنگِ حنین کے موقعہ پر کچھ مالِ غنیمت تالیفِ قلوب کے لیے دیا اور فرمایا، یہی خمس اور مالِ غنیمت کی اصلی تقسیم ہے یہ دراصل مومنین کے دلوں کو خوش کرنے کو فرمایا، اور اسی لیے جب انصار میں سے کسی نے الزام لگایا اور جب الزام رفع ہوا، تو آپؐ نے نے یہی جواب دیا اور انہیں انعام دینا چاہا۔

بعض اہلِ علم کہتے ہیں کہ مالِ غنیمت تقسیم سے قبل غازیوں کی ملکیت نہیں ہوتی اور یہ امام المسلمین کا حق ہے کہ وہ اپنے اجتہاد اور صوابدید سے خرچ کرے۔

Marfat.com

پانچواں باب

دعائے یونسؑ اور توحیدِ الوہیّت

عبادت اور دعا کا مفہوم | یہ ایک طرد للباب بات درمیان میں آگئی تھی۔ دراصل بتانا یہ تھا کہ جو خدائے تعالیٰ کے سچے بندے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے اور اسی سے اعانت طلب کرتے ہیں اور اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کے مضمون پر کماحقہٗ عمل پیرا ہوتے ہیں اور توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ الوہیت دونوں ان کے عقیدے اور عمل میں شامل ہوتی ہیں کیونکہ جب دونوں الگ الگ استعمال ہوتی ہیں تو دوسری کے مفہوم کو لیے ہوتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِکِ النَّاسِ ۝ اِلٰـہِ النَّاسِ ۝ (الناس: ۱تا۳)	کہہ دیجئے اے نبیؐ! میں لوگوں کے پروردگار، لوگوں کے بادشاہ اور لوگوں کے معبود کی پناہ میں آتا ہوں۔

نیز فرمایا:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (الفاتحہ: ۱)	سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

تقدیم و تاخیر عبادت و استعانت | عبادت دراصل غایت اور مقصود بالذات ہے جس کے لیے مخلوقات کو خدا نے پیدا کیا، اور ربوبیت اور اعانت اس کے حصول اور تکمیل کا ذریعہ اور وسیلہ ہے، لیکن عبادت پہلے اس لیے مذکور ہے کہ مومن

Marfat.com

آدمی جب اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہتا ہے تو وہ ابتداءً عبادت کا قصد کرتا ہے اور اپنے قصد اور ارادہ کی ترجمانی اس عبارت سے کرتا ہے کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ لیکن وہ بالیقین جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اعانت کے بغیر اس اہم مقصد میں کامیاب ہونا ناممکن ہے۔ اس لیے فوراً اس کی زبان پر وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ جاری ہوتا ہے اور یہی سبب ہے کہ علتِ غائی اور علت فاعلی میں ایک معروف و معلوم فرق ہے۔

موزوں ترین اسماءِ الٰہی ساتھ ہی یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ عبادت کے ساتھ اللہ کے اسم پاک کو خاص مناسبت ہے کیونکہ اس کی عبادت اس کی صفتِ الوہیت کا مقتضٰی ہے۔ لیکن سوال اور درخواست کے موقع پر "رب" کا اسم پاک موزوں تر ہے کیونکہ اپنے بندوں کے حوائج پورے کرنا اور اس کی اعانت کرنا اور اس کو توفیق بخشنا اس کی صفتِ ربوبیت کا ظہور ہے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مومنوں کی جتنی دعائیں قرآن کریم میں منقول ہیں۔ وہ سب "ربنا" اور "ربِّ" کے لفظ سے شروع ہوتی ہیں۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کی دعا،

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف: ۲۳)	اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم بہت خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے

اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعا،

رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ	اے پروردگار! یقیناً میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس چیز کا سوال کرنے سے

Marfat.com

(ہود: ۴۷) | جس کا مجھے علم نہ ہو۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام کی دعا:

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ (القصص: ۱۶) | اے پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے۔

اور: رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (القصص: ۲۴) | اے پروردگار! جو کچھ تو مجھے دیدے، بیشک میں اس کا محتاج ہوں۔

ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من اللہ الجلیل کی دعا:

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (ابراہیم: ۳۷) | اے میرے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو ایسی وادی میں بسا دیا ہے جو غیر آباد ہے اور تیرے محترم گھر کے پاس ہے۔ اے پروردگار! تاکہ میری اولاد نماز کو قائم کرے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا:

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ (صٓ: ۳۵) | اے پروردگار! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو اس طرح کی سلطنت نہ ملے بیشک تو بڑا عطا کنندہ ہے۔

ہر مومن کی یہ دعائیں ملاحظہ ہوں

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ: ۱۹۱) | اے میرے پروردگار! مجھے دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا فرما اور عذاب دوزخ سے بچا۔

Marfat.com

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا (آل عمران: ۸)	اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دینا۔

اولی الالباب کی دعاؤں کا اس طرح ذکر کیا ہے

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آلِ عمران: ۱۹۱)	اے ہمارے پروردگار! یہ سب کچھ تو نے رائیگاں پیدا نہیں کیا۔ تیری ذات پاک ہے پس ہمیں عذابِ دوزخ سے بچالے۔

وغیرہ وغیرہ بکثرت آیات موجود ہیں جو سب اسی طرح شروع ہوتی ہیں۔

حضرت امام مالکؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ اس کو سخت برا جانتے تھے کہ آدمی اپنی دعا میں کہے: یا سیدی یا سیدی، یا حنان یا حنان بلکہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیشہ انہی الفاظ سے دعا کرو جن الفاظ سے انبیاءؑ نے دعا کی ہے اور کہو: رَبَّنَا رَبَّنَا

داعیۂ تخاطبِ الٰہی الغرض جب آدمی کے دل میں سوال اور درخواست کا خیال غالب ہو تو ربّ کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرنا مناسب ہوگا۔ اگرچہ سوال بھی خدا کے اسم "اللہ" ہی کے ذریعے کرنا مستحسن ہے۔ کیونکہ لفظِ اللہ ذاتی نام ہے جو اسم رب کو شامل ہے لیکن جب اس کے دل میں عبادت کا خیال ہو تو پھر اللہ کا لفظ استعمال کرنا زیادہ مناسب اور موزوں ہے۔ جب خدا کی تعریف کرے تو اللہ ہی کا ذکر کرے اور جب دعا کا ارادہ کرے تو بھی اللہ ہی کو پکارے۔

اقرارِ گناہ کی تقدیم و تاخیر یہاں پر ایک سوال[1] پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے پہلے توحیدِ الوہیت کا اعتراف کیا اور بعد ازاں اپنے گناہ کا اعتراف کیا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ لیکن آدم علیہ السلام

[1] سوال نمبر ۵ کا جواب شروع ہوا۔

Marfat.com

کی دعا میں بغیر کسی تمہید کے گناہ اور قصور کا اعتراف ہے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

اس میں نکتہ یہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو نزولِ عذاب سے ڈرایا تھا اور عذاب کے آثار ظاہر بھی ہو چکے تھے لیکن جب انہوں نے سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنا عذاب ہٹا دیا یونس علیہ السلام نے عذاب کو ٹلتا ہوا دیکھ کر یہ خیال کیا کہ اس سے وہ اپنی قوم کی نظروں میں جھوٹے ثابت ہوں گے [۱] اس لیے وہ جھنجلائے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کیے بغیر قوم کو چھوڑ کر چل دیے جس کی پاداش میں ان کے مچھلی کے پیٹ میں چلے جانے کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (القلم: ۴۸)	(اے محمدؐ!) اپنے پروردگار کے حکم تک صبر کر اور مچھلی (کے پیٹ میں جانے) والے کی مانند نہ ہو جائیو۔

نیز فرمایا:

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ (الصّٰفّٰت: ۱۴۲)	پس اسے مچھلی نے نگل لیا اور وہ سخت شرمندہ اور نادم ہوا۔

اس سے تم سمجھ گئے ہوگے کہ اس قصور کا باعث خواہشِ نفس تھی، یعنی وہ نہیں چاہتے تھے کہ جھوٹے ثابت ہوں اور قوم کے سامنے ان کی سبکی ہو جس قوم کی بنا پر خواہشِ نفسانی کے اتباع پر ہو اس میں ایک گونہ شرک پایا جاتا ہے۔ اس لیے سب

[۱] حضرت یونس کو اپنی قوم کے خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور ایمان لانے کا غالباً علم نہ تھا۔
[۲] ایک حدیث میں ہے ما تحت ادیم السماء اله یعبد اعظم عندہٗ بقیہ بر صفحہ ۱۲۲

Marfat.com

سے پہلے (یونسؑ کو) توحیدالوہیت کا اعتراف کرنا ضروری تھا۔ اس لیے انہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ کہنے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا اور خواہشِ نفس کے بت کو پاش پاش کر دیا اور ھُوَ مَلِیْمٌ کی ملامت کو اس اعترافِ حقیقت کے پانی سے دھو ڈالا اور پھر عرضِ حال بیان کیا۔

برخلاف اس کے آدم علیہ السلام کا قصور ان کی بے احتیاطی تھی، جس کا نتیجہ غلط فہمی اور اس کے بعد ارتکابِ جرم ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیطان نے ان کے سامنے قسمیں کھائیں اور اپنی خیر خواہی کا یقین دلایا چنانچہ آدم علیہ السلام اس کی دشمنی کو بھول گئے (یہی بے احتیاطی تھی) اور جو کچھ شیطان کہتا چلا گیا، آپؑ نے اس کو سچ مان لیا اور اس لیے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ جس بات سے منع کیا گیا ہے اس کا سبب یہ نہیں کہ وہ بات اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے۔ شیطان نے ان کو یقین دلایا تھا کہ انہوں نے شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھا لیا تو وہ فرشتے بن جائیں گے (جن کا مقام اور رتبہ نوعِ انسانی کے مقام سے بالاتر ہے) اس لیے آدم علیہ السلام نے بزعم خود اپنے لیے ترقی مدارج حاصل کرنا چاہا تھا اور یہ فعل ہوائے نفس کے اتباع پر مبنی نہیں تھا۔ لہٰذا توحیدِ الوہیت کے اعتراف کی تجدید چنداں ضروری نہیں تھی۔ ضروری بات یہ تھی کہ اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے چنانچہ فوراً بول اٹھے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا.....

خدا کا سچا بندہ اور حقیقی مومن جو حالت یونس علیہ السلام کو پیش آئی اور ان سے قصور اور گناہ سرزد ہونے کا باعث ہوئی۔ ایسی حالت جس شخص کو بھی پیش آئے اس کے دل میں فی الجملہ تقدیرِ ایزدی سبحانہٗ وتعالیٰ کے خلاف کچھ اعتراض سا پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حکمت کے متعلق کسی نہ کسی شکل میں شبہات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۱) من ھوی متبع (ترجمہ) آسمان کے نیچے سب سے بڑا بت جس کی پرستش کی جاتی ہے وہ نفس کی خواہش ہے جس کو عربی میں "ہوائے نفس" کہتے ہیں۔

Marfat.com

ظہور میں آتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ آدمی اپنی فاسد رائے اور غلط خواہش نفس کی اپنے سے نفی کرے اور اس بات کا علم الیقین پیدا کرے کہ سچی حکمت اور صحیح طور پر رحمت اور عدل کا ظہور وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظہور میں آئے۔ انسان کا علم محدود ہے اور اس کی سچی حکمتوں کا کامل ادراک نہیں کر سکتا اور اس کی رحمت اور عدل کے دقائق سمجھنے سے آدمی کی سمجھ قاصر ہے۔ خدائے تعالیٰ کا سچا بندہ اور حقیقی مومن وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام میں اپنی رائے اور اپنی خواہش نفس کو ذرہ بھی دخل نہ دے۔ کلام پاک میں ہے،

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○	(اے محمدؐ!) آپ کے رب کی قسم! وہ کبھی مومن نہیں ہوں گے، جب تک وہ آپس کے ہر ایک جھگڑے میں آپ ہی کو حاکم نہ بنائیں اور پھر جو کچھ بھی آپ فیصلہ دے دیں اس کے متعلق ان کے دلوں میں ذرہ بھی تنگی نہ پائیں اور ہو اور وہ اس کو پوری طرح تسلیم کر لیں
(النساء: ۶۵)	

ایمان اور عاشقانِ رسولؐ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ابو حاتم رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ،

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ	اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص بھی اپنے آپ کو مومن خیال نہ کرے جب تک وہ اپنی خواہش نفس کو میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ کر دے۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَاللّٰہِ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ	اے رسول خدا! اللہ کی قسم! آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

ان کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّلَدِہٖ وَوَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ	تم میں سے کوئی شخص بھی اپنے آپ کو مومن خیال نہ کرے جب تک کہ میں اسے اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

کلام مجید میں ایک اور مقام پر ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ	کہہ دو اگر تمہارے باپ اور تمہاری عزیز اولاد اور تمہارے بھائی (جن کو تم اپنا دست و بازو سمجھتے ہو) اور تمہاری بیویاں اور تمہارا قبیلہ (جس پر تمہاری طاقت کا دار و مدار ہے) اور وہ دولت جو تم نے کمائی اور وہ تجارت جس کے سرد پڑ جانے کا تمہیں اندیشہ ہے اور اپنی پسندیدہ جگہیں تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسولؐ (کی اطاعت) اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑائی کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزول عذاب کے منتظر رہو۔
(التوبہ: ۲۴)	

Marfat.com

اس آیت میں وہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے ایک ایک کرکے گِن دی ہیں جو انسان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں مزاحم ہوتی ہیں اور بتا دیا گیا کہ اگر ان میں سے کسی ایک چیز کی بھی محبت پر اڑ کر آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے اعتنائی برتے تو اس کا انجام یقیناً ہلاکت اور عذاب ہے جس کے لیے اسے منتظر رہنا چاہیئے۔

محبتِ الٰہی کا جذبہ پس جب ایمان کا مقابلہ اس قدر نازک ہے کہ ایمان اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک آدمی اپنے کاروبار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حَکم اور منصف نہ بنائے اور پھر آپ کے ہر فیصلے پر سرِ تسلیم خم نہ کر دے، ہر خواہش رسول اللہ کی آوردہ شریعت کے تابع ہو۔ رسول اللہ کی محبت اور جہاد فی سبیل اللہ کا ولولہ انسان کو اپنی جان کی محبت اور اپنے اہل و عیال کی محبت سے مقدم رکھنا مطلوب و مقصود ہو تو پھر اللہ عزوجل کی محبت اور اس کے حکموں کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کا کیا ٹھکانا؟

اظہارِ کراہیت و ناپسندیدگی پس جو شخص یہ دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کرے کہ لوگ اس کے خیال میں اللہ کے عذاب کے مستحق ہو رہے ہیں اور اللہ غفور و رحیم ہے اور انہیں معاف کر دے گا اور ان پر رحم کرے گا۔ اگرچہ ان کے اعمال ناپسندیدہ ہوں تو یہ بات دو حال سے خالی نہیں۔ یا وہ ارادۃً احکامِ الٰہی کی مخالفت ہو گی یا گمان ہو گا کہ علمِ الٰہی کی مخالفت ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔ جب تم بھی اس حقیقت سے آشنا ہو جاؤ گے تو کراہیت و ناپسندیدگی باقی نہ رہے گی۔ یہی ہم کو حکم دیا گیا ہے اور اسی لیے ہم کو پیدا کیا گیا۔ ہم کو یہ ہرگز نہیں حکم دیا گیا کہ ہم اسے مکروہ جانیں اور اس پر غضبناک ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ تو اسے محبوب رکھتا ہے۔ کیونکہ:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ○	یقیناً اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

Marfat.com

پس اس قسم کی کراہیت الوہیتِ الٰہی کی کراہیت ہوگی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایسا شخص توحیدِ الوہیت کی تجدید کرے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ کے ذریعے اپنے عقیدۂ باطلہ کو محو کرلے، ہاں کفر و فسق، عصیان و طغیان کی کراہیت سے ہمیں نہیں منع کیا گیا۔

الغرض ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنی پسندیدگی اور عدمِ پسندیدگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور سخط کے تابع بنائیں۔ جس بات کو وہ پسند کرتا ہے اس کو ہم بھی پسند کریں اور جو بات اس کو ناپسند ہے اس کو ہم بھی مکروہ اور ناپسند سمجھیں اور اس کے امر اور نہی کا اتباع کریں اور اپنی رائے سے کسی چیز کو پسندیدہ یا ناپسندیدہ نہ خیال کریں۔

Marfat.com

چھٹا باب

عصمتِ انبیاء علیہم السلام

مقصدِ تبلیغ رسالت یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے متعلق مذہبِ سلف کی تحقیق کی جائے۔ تبلیغ رسالت اور احکام کو پہنچانے میں جن کے پہنچانے کے لیے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں، بلاکم و کاست پہنچا دیتے ہیں اور کبھی کوتاہی اور غلطی نہیں کرتے۔ علماءِ امتِ محمدیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس بارے میں وہ بالکل معصوم ہیں اور اسی لیے ضروری ہے کہ جو کچھ ان کے ذریعے پہنچا ہے اسے تسلیم کرنے اور ماننے میں کوتاہی نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا	(اے نبی) کہہ دو ایمان لائے ہم اللہ پر اور اس چیز پر جو ہماری طرف نازل ہوئی اور جو حضرت ابراہیم، اسماعیل اسحاق یعقوب اور ان کی اولاد علیہم السلام پر نازل ہوئی اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم کسی

Marfat.com

نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ○ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (البقرہ: ۱۳۶، ۱۳۷)

نبی میں فرق نہیں جانتے، بلکہ سب کو تسلیم کرتے ہیں پس (اے نبیؐ) اگر وہ لوگ تمہاری طرح ایمان لے آئیں تو بے شک ہدایت یاب ہو گئے اور اگر اعراض کریں تو سمجھ لو کہ وہ شقی ہیں پس تمہارے لیے اللہ کافی کارساز ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اور فرمایا،

وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ (البقرہ: ۱۷۷)

اور لیکن نجات اس کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا اور آخرت پر اور اس کی کتابوں پر اور نبیوں کو تسلیم کر لیا۔

اور فرمایا،

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ

رسولؐ تو اس پر ایمان لے آیا جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوا اور مومن بھی ایمان لے آئے سب نے اللہ اور اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے نبیوں کو مان لیا، ہم نے تو کسی نبی میں فرق نہیں ڈالا اور وہ یہ کہتے ہیں

Marfat.com

الْمَصِیْرُ (البقرہ: ۲۸۵)	کہ ہم نے سن لیا اور قبول کر لیا، اے
----------	پروردگار تیری ہی طرف ہم نے
----------	لوٹنا ہے۔

برخلاف اس کے نبیوں کے بغیر کوئی شخص معصوم نہیں، اگرچہ وہ اولیاء اللہ ہی میں سے کیوں نہ ہو۔ اسی بنا پر جملہ فقہاء کے نزدیک نبی کو گالی دینے والے کا قتل کر دینا واجب ہے اور غیر نبی کو گالی دینے والا ہرگز قتل نہ کیا جائے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

مَنْ سَبَّ نَبِیًّا مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ	جس نے نبیوں میں سے کسی نبی کو
قُتِلَ وَ مَنْ سَبَّ غَیْرَھُمْ	گالی دی وہ قتل کیا جائے گا اور جس
لَمْ یُقْتَلْ	نے نبیوں کے سوا کسی کو گالی دی
----------	وہ قتل نہ کیا جائے گا۔

انبیاء علیہم السلام اور حفاظت الٰہی اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو معصوم اور محفوظ رکھنے کا خود ذمہ اٹھایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

عَالِمُ الْغَیْبِ[1] فَلَا یُظْھِرُ	وہی غیب کی باتیں جانتا ہے اور
عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ	اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا
ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّہٗ	البتہ (لوگوں کو ایسی باتوں سے مطلع
یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَ	کرنے کے لیے) وہ کسی رسول چن لیتا ہے اور پھر اس کے
مِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا لِّیَعْلَمَ	آگے پیچھے (فرشتوں کا) پہرہ لگا
اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ	دیتا ہے حتیٰ کہ وہ جان
رَبِّھِمْ	

[1] غیب کا لفظ اپنے وسیع تر معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جنت اور دوزخ (بقیہ بر صفحہ ۱۳۰)

Marfat.com

----------	لے کہ رسولوں نے خدائے تعالےٰ
----------	کے پیغام (محفوظ طور پر بلاکم وکاست)
(الجن: ۲۸)	پہنچادیے۔

اس قسم کی عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے لیے ضروری ہے اور اسی کی بدولت نبوت اور رسالت کا مقصود حاصل ہوتا ہے۔ نبی کا لفظ "نبأ" سے مشتق ہے اور اس کا مطلب ہے "اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دینے والا"۔ اسی طرح رسالت کے معنی "پیغام" کے ہیں اور رسول بمعنی "اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچانے والا"۔ اس لیے یہ لازم ہے کہ ہر ایک نبی اور ہر ایک رسول تبلیغ و ترسیل احکامِ الٰہی میں معصوم ہو۔ بصورتِ دیگر اللہ تعالیٰ کا پیغام ناقص ہوگا جو ناممکن ہے تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے۔

اختلافِ علماء اور القاءِ شیطانی البتہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا نبی اور رسول کی زبان پر تلاوت کی اثناء میں کوئی ایسا کلمہ جاری ہو سکتا ہے جو شیطان کا القاء ہو اور جس کو بعد میں بذریعہ وحی باطل ٹھہرایا جائے، اس کے متعلق دو قول ہیں۔ ایک تو اس کا جواب اثبات میں دیتے ہیں اور سلف کا بھی یہی مذہب ہے۔ قرآن و حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کلامِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ	(اے نبیؐ) ہم نے آپ سے پہلے کوئی
مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ	ایسا رسول یا نبی نہیں بھیجا جس کو
اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ	یہ مرحلہ پیش نہ آیا ہو کہ جونہی انہوں
اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي	نے کوئی آرزو کی تو شیطان نے اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۹) کا حال بتانا اور اعمال میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی یا عدم خوشنودی کا پتا دینا سب اس کے مفہوم میں داخل ہے۔

لے تاکہ اس کی تبلیغ شیطان اور قوت واہمہ وغیرہ کے تصرف سے بالکل محفوظ رہے۔

Marfat.com

الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ○ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

(الحج : ۵۲، ۵۳)

کی آرزو میں کوئی نہ کوئی فتنہ ڈال دیا جس کے بعد اللہ نے شیطان کی وسوسہ اندازی کو مٹا دیا اور اپنی نشانیوں کو مضبوط کر دیا اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اس میں یہ مصلحت رہی ہے کہ شیطان کی وسوسہ اندازی ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ہو جائے جن کے دل سخت ہو گئے ہیں بلاشبہ یہ ظالم بڑی ہی گہری مخالفت میں پڑے ہیں۔ نیز یہ مصلحت بھی تھی کہ علم والے اس بات کو جان لیں کہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے ہے اس طرح یہ ایمان لے آئیں اور ان کے دل میں عجز و نیاز پیدا ہو جائے یقیناً اللہ ایمان والوں کو کامرانی کی سیدھی راہ چلانے والا ہے۔

اہل حدیث کا عقیدہ ان آیات کے شانِ نزول میں یہاں جو قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سورۂ نجم کو تلاوت کرنے اور اثنائے تلاوت میں شیطان کے بعض الفاظ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر جاری کر دینے کا منقول ہے وہ ایک معروف روایت ہے اور کتب تفسیر و حدیث میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے تین آیت میں بھی اس بات کا اندازہ موجود ہے کیونکہ شیطانی القاء کو مٹانا اور آیتوں کو قائم

Marfat.com

رکھنا ہی یہ ظاہر کر رہا ہے کہ آیاتِ الٰہیہ کے نزول کے دوران فی الواقعہ کوئی ایسا اختلاط پیش آیا ہے اور آنا ممکن ہے، جس کے رفع کرنے اور حق و باطل میں تمیز کر دینے کو نسخ اور احکام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اہلِ حدیث علماء کا یہی قول ہے۔

لیکن جو لوگ متاخرین میں سے اس کے خلاف ہیں۔ وہ پہلے گروہ پر یہ طعن کرتے ہیں اور انکار کرتے ہیں کہ سورۂ نجم میں یہ الفاظ داخل کیے جائیں:

تلك الغرانیق العلی و ان شفاعتها لترتجی	یہ بزرگ ہستیاں بلند مرتبہ ہیں (لات اور عزیٰ وغیرہ بت) اور ان کی شفاعت کی بھی امید کی جاتی ہے۔

کیونکہ یہ الفاظ ہرگز ثابت نہیں ہیں اور جس نے ثابت جانا اس نے تسلیم کیا کہ القاءِ شیطانی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر ایسے الفاظ ہرگز جاری نہیں ہو سکتے اور اپنی تائید میں یہ آیتِ قرآنی پیش کی:

اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ (الحج: ۵۲)	تمام رسولوں کو یہ مرحلہ پیش آیا کہ ان کی آرزوؤں میں شیطان نے فتنہ ڈال دیا۔

صداقتِ نبوت کی مستحکم دلیل فریق مخالف نے جو اعتراض اس القاء پر کیے ہیں، وہ بعینہٖ مسئلۂ نسخ پر وارد ہوتے ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس قسم کا نسخ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صادق فی الرسالۃ ہونے کی ایک زبردست دلیل ہے اور یہ کہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے، کیونکہ کسی ایک بات کا حکم دے کر جب وہ بعد میں اس کو منسوخ بتاتے ہیں تو اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ وہ مامور بندے ہیں اور جو کچھ حکم ملتا ہے اسی کی تبلیغ فرماتے ہیں۔

حضرتِ عائشہؓ کا قول صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے

Marfat.com

کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا ایک حرف بھی چھپانا چاہتے تو سب سے پہلے اس آیت کی تبلیغ میں کوتاہی فرماتے:

وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ	اور تم اپنے دل میں ایک ایسی بات چھپانا چاہتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ طشت از بام کرنے والا تھا اور اس کے اظہار میں تم لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ خدا سے ڈرنا زیادہ ضروری ہے۔
(الاحزاب: ۳۷)	

سچے اور جھوٹے کی پہچان یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص جھوٹا ہو اور اپنی نمود کا خواہاں ہو وہ ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ آج ایک بات کہہ کر کل اس کی تردید کرے بلکہ جو کچھ اس کے منہ سے نکل جائے وہ اس کی تائید اور اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے میں اپنی پوری کوشش صرف کرتا ہے، برخلاف اس کے جو سچا نبی اور سچا رسول ہے وہ اپنی خواہشِ نفس کا تابع نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا تابع فرمان ہوتا ہے اور جو کچھ اس کو حکم ملتا ہے وہی لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ قطع نظر اس سے لوگوں کو اس پر اعتراض کرنے کا موقع ملے یا لوگ اس نسخ کو اس کے تناقص پر محمول کریں جس میں اس کی صفت متصور ہو۔ پس رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ایک بات کو بغیر خفت محسوس کیے صاف صاف بیان کر دینا اس بات کی محکم دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکموں کو ثابت کر دیا اور جو القاءِ شیطانی تھا اسے باطل قرار دیا ہے اور یہ آپؐ کی صداقت کی بیّن دلیل ہے اور جھوٹا نبی ہونے سے بریت ہے اور یہی رسالت کی غرض و غایت ہے۔ آپؐ صادق المصدوق ہیں اور آپؐ کی رسالت کو جھٹلانا اسی لیے صریح کفر ہے۔

Marfat.com

انبیاء اور تبلیغِ رسالت کے علاوہ کام

جمہور علماء کا قول لیکن جن باتوں کا تعلق تبلیغ رسالت سے نہیں ہے۔ ان میں انبیاء علیہم السلام کی عصمت از روئے عقل ثابت ہے یا خلافِ قیاس؟ پھر یہ جھگڑا ہے کہ کبائر سے معصوم ہیں یا صغائر سے؟ کفر سے پاک ہیں یا قبل از بعثت سے؟ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جمہور علماء کا صحیح تر قول وہ ہے جس کی بنا پر سلف کے اقوال منقولہ پر یہ بات صادق آتی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے (ان کے رتبہ کے موافق) گناہ صادر ہو جاتے ہیں لیکن وہ ان پر مُصر نہیں رہتے۔

استدلالِ معصومیتِ مطلقہ بعض علماء جو ان کو معصوم مطلق سمجھتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اقتداء یعنی ان کے افعال کی پیروی کرنا امت پر لازم ہے اس لیے اگر ان سے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہو تو اقتداء میں خلل آتا ہے۔ پس نبی معصوم ہوتا ہے اس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوتا۔

لیکن یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ ان کا اقتداء ان افعال میں کیا جاتا ہے جن پر وہ قائم رہے اور جن سے انہوں نے رجوع نہیں کیا، چنانچہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے امر اور نہی کا اتباع کرنا بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ امر اور نہی بعد میں منسوخ نہ ہو گئی ہو۔

منافی کمال اور فضیلتِ توبہ مطلق عصمت کے قائلین کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ گناہ کا صادر ہونا کمال کے منافی ہے[1] اور ان کا یہ ارتکاب ذنوب لوگوں کے لیے نفرت

[1] اور یہ مانا گیا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بنی نوع انسان کے کامل ترین افراد ہیں۔

Marfat.com

کا موجب ہوگا۔ اور اس لیے رسالت کا مقصود کما حقہٗ پورا نہیں ہوگا لیکن یہ دلائل بھی اس حالت میں مؤثر ہو سکتے ہیں جب کہ یہ کہا جائے کہ وہ گناہ پر مُصر رہتے ہیں لیکن اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اب جیسا کہ ہم نے ابھی جمہور علماء کا قول نقل کیا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ "گناہ ان سے صادر ہوتے ہیں لیکن وہ ان پر مُصر نہیں ہوتے"۔ فوراً تائب ہو کر خدا کے حضور طالبِ معافی ہوتے ہیں۔

اور تم جانتے ہو کہ وہ سچی توبہ جس کو بارگاہِ کبریا میں شرفِ قبولیت حاصل ہو جائے اس کے بعد انسان اپنی قبل از توبہ حالت کے مقابلے میں بلند تر درجہ پر فائز ہوتا ہے چنانچہ بعض سلف سے منقول ہے کہ "توبہ کے بعد داؤد علیہ السلام قبل از توبہ والے داؤد سے افضل تھے"۔ کلامِ مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ ○	بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (البقرہ: ۲۲۲)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ (الفرقان: ۷۰)	لیکن جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لا کر نیک اعمال کیے، ان لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں تبدیل کر دے گا۔

صحیح حدیث میں بیان ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی کے صغائر خدا کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور اس کے کبائر چھپا دیے جائیں گے کیونکہ وہ کبائر کو ظاہر کرنے سے بچتا تھا، پس اللہ سبحانہٗ فرمائیں گے، میں نے تیرے گناہ معاف کر دیے اور تیرے ہر ایک گناہ کو نیکی میں بدل ڈالا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس کی معافی کی حالت پہلی حالت سے یقیناً بہتر ہوگی۔

Marfat.com

مرضِ خود بینی کی سزا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے سلف صالحین کا قول ہے کہ،

اِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ الْحَسَنَةَ فَيَدْخُلُ بِهَا النَّارَ وَاِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ السَّيِّئَةَ فَيَدْخُلُ بِهَا الْجَنَّةَ	بعض اوقات انسان نیکی کرتا ہے اور دوزخ میں جاتا ہے اور کبھی برائی کرتا ہے تو جنت میں داخل ہوتا ہے۔

پھر انہوں نے اپنے اس قول کی تشریح اس طرح پر کی کہ آدمی نیکی کر کے اس پر نازاں ہوتا ہے اور خود بین بن جاتا ہے۔ اس کا انجام دوزخ ہے، برخلاف اس کے برائی کر کے آدمی کے دل میں خدائے تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے، وہ اس کی طرف رجوع کرتا اور تائب ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرماتا ہے[1] جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ لِيُعَذِّبَ	اور منظور کر لیا انسان نے اس (بارِ امانت) کو، بیشک وہ ظالم اور جاہل ہے۔ عذاب

---

[1] صحیح حدیثوں سے صرف بحرف اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ منجملہ ان کے بنی اسرائیل کے ایک بڑے عابد نے ایک خطاکار کے متعلق یہ کہا کہ خدا کی قسم! یہ نہیں بخشا جائے گا تو اس خود بینی سے اس کی تمام نیکیاں برباد ہو گئیں اور وہ دوزخ میں ٹھونس دیا گیا۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے ایک دوسرے شخص کا قصہ ہے کہ اس نے اپنی تمام عمر میں ایک بھی نیکی نہیں کی تھی لیکن مرتے وقت اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا اور اس نے اپنی نعش کو جلا دینے اور اس کے بعد اس کی خاک کو ہوا میں اڑا دینے کی وصیت کی جس پر خدائے تعالیٰ نے اس کو بخش کر جنت میں داخل کر دیا۔ یہ دونوں قصے صحیحین میں مذکور ہیں اور سعید رضؓ بن جبیر کے قول میں جس اصول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے لیے بمنزلہ شاہدِ عدل کے ہیں۔ (مترجم)

Marfat.com

اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِکِیْنَ وَالْمُشْرِکٰتِ وَیَتُوْبَ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ○ (الاحزاب : ۷۳)	میں مبتلا کرے گا اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو اور پھر آئے گا اللہ تعالٰی مومن مردوں اور مومن عورتوں کی طرف اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

الغرض قرآن، حدیث اور دیگر کتب سماویہ تمام اس قول کی موید ہیں اور کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔

انحراف مسلمہ اصول اور فقدانِ ایمان

انبیاء کا قصور اور دور از کار تاویلیں پھر اللہ تعالٰی نے کلام پاک میں متعدد آیتوں میں حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ کہہ کر مخاطب فرمایا ہے اور قرآن اور حدیث میں اس بات کی تصریحات موجود ہیں کہ پیغمبروں سے گناہ[1] اور قصور سرزد ہوا جس پر وہ نادم ہوئے اور اللہ تعالٰی کی طرف رجوع کر کے مغفرت طلب کی، یہ ایک مسلمہ اصول ہے لیکن ایک دوسرا فریق ان نصوص کی ایسی ہی دور از کار تاویلیں کرتا ہے جو اُن قرامطہ اور جہمیہ اور باطنیہ کی تاویلات کے مشابہ ہوتی ہیں، جنہوں نے اللہ تعالٰی کے اسماءِ حسنٰے اور صفاتِ علیہ کے حقائق کی ایسی ہی تاویلیں کر کے انکار کیا ہے

---

[1] لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کے علوِ مرتبت کے لحاظ سے یہ گناہ اور قصور تھا مگر "حسنات الابرار" اور "سیئات المقربین" کے زریں اصول کو ہرگز نہ بھولنا چاہیے۔

Marfat.com

یہ لوگ بزعم خود انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کرنا چاہتے ہیں، جس میں اپنی رائے کو استعمال کرکے دانستہ یا نادانستہ ان کی تکذیب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

حصولِ سعادت کا حکمی نسخہ علاوہ ازیں وہ لوگ جس قسم کی عصمت کا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے دعوے کرتے ہیں، اگر وہ ثابت بھی ہو تو اس سے ان کی اپنی ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اور نہ ہی ان کو اس عصمت کے ثابت کرنے کی کچھ زیادہ ضرورت ہے کیونکہ ان کا تعلق خود ان کی ذات سے نہیں اور نہ ہی اس کی بابت کوئی خاص حکم موجود ہے۔ قیامت کے دن انسان سے اس کے اپنے اعمال کے متعلق پوچھا جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا:

وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (النحل: ۹۳)	بیشک تم قیامت کے دن ضرور ان اعمال کے متعلق پوچھے جاؤ گے جو تم کیا کرتے تھے۔

یہ لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات کے متعلق اکثر بغیر کسی دلیلِ شرعی کے بحثیں کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جو ان کا اصلی فرض ہے یعنی انبیاء علیہم السلام پر سچے دل سے ایمان لانا اور ان کی تعلیم پر عمل پیرا ہونا جو حصولِ سعادت کا حکمی اور تیر بہدف نسخہ ہے، اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ کلامِ مجید میں ہے:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○	کہہ دو اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ لیکن اگر تم نے روگردانی کی تو سمجھ لو کہ بیشک پیغمبر پر اپنی ذمہ داری ہے اور تم پر تمہاری ذمہ داری۔ ہاں اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو سیدھا راستہ پاؤ گے۔ رسول پر تو یہی ذمہ داری

Marfat.com

النور: ۵۴	ہے کہ وہ کھلے طور پر اللہ تعالیٰ کا پیغام تم کو پہنچا دے۔

قصور انبیاءؑ اور توبہ | الغرض قرآنِ کریم میں جہاں کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر کے گناہ اور قصور کا ذکر فرمایا ہے، ساتھ ہی اس کی توبہ و استغفار کا بھی ذکر ہے۔ حضرتِ آدم علیہ السلام کی تو یہ دعا مشہور ہی ہے کہ:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الاعراف: ۲۳)	اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو بے شک ہم بہت ہی خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد کہ انہوں نے اپنے کافر بیٹے کی نجات کے لیے سوال کیا، جو ایک غلطی تھی، ان کی یہ دعا نقل کی گئی ہے:

رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (ہود: ۴۷)	ایسی بات کا سوال کیا جس کا مجھے کچھ بھی علم نہیں اور اب اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں زیاں کاروں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی یہ دعا ملاحظہ ہو:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ (ابراہیم: ۴۱)	پروردگار! جس دن حساب کتاب قائم ہو، مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے اور مومنین کی بھی مغفرت فرما

حضرت موسےٰ علیہ السلام سے منقول ہے:

Marfat.com

أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ

(الاعراف: ۱۵۵، ۱۵۶)

خدایا! تو ہمارا کارساز ہے، تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو ہی سب بخشنے والوں سے افضل ہے۔ اور اس دنیا میں ہمارے لیے نیکی مقرر کردے اور آخرت میں ہمیں اپنی طرف ہدایت یاب فرما۔

پھر فرمایا:

رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي (القصص: ۱۶)

پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے۔

کوہ طور پر تجلی الٰہی کی تاب نہ لاسکے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کی:

سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ○

(الاعراف: ۱۴۳)

خدایا! تیرے ہی لیے ہر طرح کی تقدیس ہے۔ میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں یقین رکھنے والوں میں سے پہلا شخص ہوں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں ہے:

فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ○ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ○

اس نے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کی اور جھک کر رکوع کیا۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، پس ہم نے اسے بخش دیا اور ہمارے نزدیک اس کے تقرب کی جگہ ہے

Marfat.com

(صٓ: ۲۴) | اور بہتر جائے پناہ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خطا کا ذکر کرنے کے بعد آپؑ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ	اے میرے پروردگار مجھے بخش دے اور مجھ کو ایک ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی دوسرے کے لیے سزاوار نہ ہو۔ بے شک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے۔

(صٓ: ۳۵)

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا تمہارے سامنے ہے کہ:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○	تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری ذات پاک ہے، مقدس ہے اور بے شک میں ظالموں میں سے ہوں

(الانبیاء: ۸۷)

Marfat.com

حضرت یُوسف علیہ السّلام

هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا | البتہ حضرتِ یوسف علیہ السلام سے کسی قسم کی برائی اور بے حیائی صادر نہیں ہوئی۔ رہا یہ کہ اس سے پہلے آیا ہے۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ

(یوسف : ۲۴)

بیشک اس عورت نے یوسفؑ کو قابو میں لانے کا قصد کیا اور اس نے بھی قصد کیا ہی تو تھا اگر وہ رب کی طرف سے ایک روشن دلیل نہ دیکھ لیتا۔ (تو کام خراب تھا)

حضرت امام احمدؒ بن حنبل کا قول | امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"اَلْهَمُّ هَمَّانِ هَمٌّ خَطَرَاتٌ وَ هَمٌّ اِصْرَارٌ

یعنی قصد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی بات خطرہ کے طور پر دل میں گزر جائے۔ دوسرے یہ کہ کسی فعل کے کرنے کا ارادہ کرلے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے کہ:

ان العبد اذا هم بسيئة لم يكتب عليه واذا تركها لله كتبت له حسنة وان عملها كتبت له سيئة واحدة

جب آدمی کسی برائی کا صرف قصد کرتا ہے تو وہ لکھی نہیں جاتی (جب تک اس کا ارتکاب نہ کرلے) اور اگر اس کا عمل میں لانا خالص اللہ کے

Marfat.com

وان ترکھا من غیر ان ترکھا للہ لم تکتب لہ حسنۃ ولا تکتب علیہ سیئۃ

لیے ترک کر دے تو اس کے لیے نیکی لکھی جاتی ہے، اگر برائی کا ارتکاب ہو جائے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے (نیکی کی طرح دس گنا نہیں لکھی جاتی) اور اگر اس قصد کو عمل میں نہ لائے اور برائی کا ارتکاب نہ کرے لیکن اس کا یہ ترک کرنا اللہ (کی خوشنودی حاصل کرنے) کے لیے نہ ہو تو نیکی یا برائی کچھ بھی نہیں لکھی جاتی۔

قصد اور ترکِ یوسفؑ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک قصد کیا لیکن اس کا عمل میں لانا خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ترک کر دیا۔ اس خلوص کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو برائی اور بے حیائی سے محفوظ رکھا۔ جیسا کہ آیۃ مذکورہ بالا میں اس کی تشریح ہے۔ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کے دل میں بمقتضائے بشریت گناہ کرنے کا خیال سا پیدا ہوا، اس نے اس خیال کو رد کیا اور خالص اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے آپ کو برائی کے ارتکاب سے روکا۔ اس لیے ان کا یہ رک جانا ایک نیکی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا صحیح حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

ایک غلط روایت لیکن بعض روایات میں جو یہ منقول ہے کہ:

انہ حل سراویلہ وجلس مجلس الرجل من المراۃ وانہ رأی صورۃ یعقوب عاضاً علی یدیہ وامثال

حضرت یوسفؑ نے سراویل کا بند کھولا اور فعلِ بد کے ارتکاب کی نیت سے بیٹھ گئے۔ اس حالت میں آپ کو حضرت یعقوبؑ کی صورت نظر آئی

Marfat.com

ذالك	جو اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹ
----------	رہے تھے یا ایسی اور روایتیں۔

اس قسم کی خرافات کا قرآن اور حدیث میں کچھ ذکر نہیں اور نہ ہی اللہ اور اس کے رسولؐ نے ایسی باتوں کی خبر دی ہے۔ یہ سب روایتیں یہودیوں سے لی گئی ہیں جو انبیاءؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں سب سے زیادہ جھوٹ بولتے ہیں اور ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں جو سراسر ان کی شان اور علوِ مرتبت کے منافی ہوتی ہیں۔

مفسّرین کی غلطی پس اس قسم کا یہ قول بھی ہے جو مسلمانوں نے اہل یہود سے نقل کیا ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ایک حرف بھی نہیں آیا کہ مندرجہ ذیل یہ قول حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىْ (یوسف: ۵۰)

یہ قول حضرت یوسف علیہ السلام کا ہرگز نہیں، جیسے کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے۔ بلکہ یہ عزیز کی بیوی کا مقولہ ہے۔ اور جس شخص نے اس آیت کے سیاق و سباق پر غور کیا، اس کو اس میں ذرہ بھی شک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں وہاں حضرت یوسف علیہ السلام موجود ہی نہ تھے بلکہ وہ تو قید خانے میں تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِىْ بِهٖ	بادشاہ نے کہا، یوسفؑ کو فوراً میرے
فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ	پاس لاؤ۔ لیکن جب (بادشاہ کا)
ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاسْئَلْهُ	پیغامبر یوسفؑ کے پاس پہنچا تو اس
مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِىْ	نے کہا، تم اپنے آقا کے پاس جاؤ
قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ	اور دریافت کرو کہ ان عورتوں کا کیا
رَبِّىْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝	معاملہ تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ

Marfat.com

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ
يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قُلْنَ
حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ
مِنْ سُوْٓءٍ ۚ قَالَتِ امْرَاَتُ
الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ
الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ
نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ
ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ
بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ
كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝ وَمَآ اُبَرِّئُ
نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ
بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۚ
اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

لیے تھے، جیسی کچھ مکاریاں انہوں نے
کی تھیں میرا پروردگار اسے خوب جانتا
ہے۔ بادشاہ نے ان عورتوں کو بلا کر
پوچھا۔ صاف صاف بتادو اس وقت
تمہیں کیا معاملہ پیش آیا تھا جب تم
نے یوسف پر ڈورے ڈالے تھے
کہ اسے اپنی طرف مائل کرلو، وہ عورتیں
بولیں۔ حاشا اللہ! ہم نے یوسف میں
کوئی برائی کی بات نہیں پائی۔ عزیز کی
بیوی بھی یہ سن کر بے اختیار بول اٹھی
جو حقیقت تھی وہ اب ظاہر ہو گئی کہ
ہاں میں ہی تھی جس نے یوسف پر
ڈورے ڈالے تھے کہ اپنا دل ہار
بیٹھے۔ بلاشبہ وہ بالکل سچا ہے یہ میں
نے اس لیے کہا ہے کہ اسے (یوسف
کو) معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی
پیٹھ پیچھے اس کے معاملہ میں خیانت
نہیں کی، نیز اس لیے کہ اللہ خیانت
کرنے والوں کی تدبیروں کو کبھی کامیابی کی
راہ نہیں کھولتا۔ میں اپنے نفس کے
تقدس کا دعوے نہیں کرتی۔ ہمارا

Marfat.com

----------	نفس تو برائی کے لیے بڑا ہی ابھارنے
----------	والا ہے۔ (اس کے غلبہ سے بچنا
----------	مشکل ہے) مگر ہاں اس حال میں کہ
----------	میرا پروردگار رحم فرمادے بلاشبہ میرا
(یوسف: ۵۰ تا ۵۲)	پروردگار بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

جب ان کی برأت عورتوں کی شہادت اور خود عزیز کی بیوی کے اعتراف سے ثابت ہوئی تب بادشاہ نے ان کو قید خانے سے نکلوایا اور آپؑ کی تعظیم و توقیر کی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ،

قَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ○	بادشاہ نے حکم دیا، یوسف کو میرے پاس لاؤ تاکہ اسے اپنے خاص کاموں کے لیے مقرر کروں (پھر جب وہ آئے) ان سے ملاقات کی تو کہا: آج کے دن سے تو ہماری نگاہوں میں بڑا صاحب اقتدار اور امانت دار انسان ہے۔

(یوسف: ۵۴)	

قرآنِ کریم کی آیات کا یہ مفہوم بالکل صاف اور واضح ہے، اکثر مفسرین کا اس کو یوسف صدیق علیہ السلام کا قول قرار دینا محض بے دلیل اور ایک باطل قول ہے جیسے کہ کسی دوسرے موقع پر اس کی مزید تشریح کی گئی ہے۔

Marfat.com

بیانِ افضلیّت و کمال

رجوع الی اللہ کا نتیجہ یہاں پر یہ بتانا مقصود تھا کہ حضرت یونس علیہ السلام سے جو گناہ یا قصور سرزد ہوا، جب انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے طالب ہوئے تو ان کا سب گناہ بخشا گیا۔ قصور نیکیوں میں تبدیل ہو گیا اور رفعِ درجات کا موجب ہوا۔ مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد کے یونسؑ رجوع الی اللہ کے باعث بہت عظیم المرتبت یونسؑ بن گئے۔ کلامِ پاک میں ہے:

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ وَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (ن : ۵۰)	پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو چن لیا (برگزیدہ بنالیا) اور اپنے نیک بندوں میں داخل فرمایا۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ "انما الاعمال بالخواتیم" (بے شک عملوں کا اعتبار بلحاظ ان کے خاتمہ کے ہے) ہر ایک شخص کا درجۂ کمال اس کی آخری حالت کے لحاظ سے تعین کیا جاتا ہے۔ ابتدائے حال کا کچھ لحاظ نہیں کیا جاتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ انسان کو ابتدائے آفرینش میں جب ماں کے پیٹ سے نکالتا ہے تو وہ علم اور دیگر کمالات سے بالکل بے بہرہ ہوتا ہے۔ پھر بتدریج اس کو درجۂ کمال تک پہنچاتا ہے۔ اب کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ایک کامل مکمل شخص کو اس کی طفلی کا زمانہ یاد دلائے اور اس کو جاہل تصور کرے۔ قبل از توبہ اور بعد از توبہ کی بھی بعینہٖ یہی کیفیت ہے۔ اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی

Marfat.com

بعد از توبہ حالتِ اکمل احوال انسانی ہے اور ارتکاب خطاء و تصور کی حالت کو ملحوظ رکھ کر ان کو ناقص یا قابلِ ملامت سمجھنا ایک نہایت ہی غلط خیال ہے۔

ملائکہ کو انبیاء پر فضیلت

غلط فہمی کی وجہ | جو لوگ ملائکہ کو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل سمجھتے ہیں ان کو بھی یہی غلط فہمی ہوئی ہے کہ انہوں نے ان کی موجودہ حالت کا ملائکہ کے ساتھ موازنہ کیا۔ اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ان درجاتِ عالیہ اور اس مقامِ ارجمند کو مدِ نظر رکھتے، جو جنت الفردوس میں داخل ہو کر ان کو حاصل ہوگا جب کہ وہ ان تمام نقائص اور عیوب سے مبرا ہوں گے جو موجودہ حالتِ بشریہ کا مقتضا ہے اور جب ملائکہ علیہم السلام ہر ایک طرف سے سلام کہتے ہوئے ان کے محلات کے دروازوں سے داخل ہوں گے۔ فرمایا:

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ (ابراہیم: ۲۳، ۲۴)	اور فرشتے ان پر ہر دروازے سے داخل ہوتے ہیں (اور کہتے ہیں) تم پر بسبب صبر کرنے کے سلامتی ہو۔

فضیلتِ کمال باعتبارِ مآل | جب ان حالات کا لحاظ رکھا جائے تو انہیں معلوم ہوگا کہ کون افضل ہے اور مفضول بہ کون؟ مخلوقات میں سے کمال کسے حاصل ہے؟ کیا کسی عقل مند نے اس بات کو بھی سوچا ہے کہ کمال حاصل کرنے سے قبل ان کی اپنی

Marfat.com

کیا حالت تھی؟ کیا وہ تمام عیوب ونقائص سے پاک تھے۔ کمالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیشہ آخری حالت کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ ابتدائے خلقت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بھی عام انسانوں کی طرح نطفہ اور مضغہ سے آفرینش ہوئی ہے اور انہوں نے بھی بچپن کے مراحل طے کیے ہیں، اس لیے کمال کے لیے مآل کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور اسی بنا پر یہ خیال بھی غلط ہے کہ جو شخص مسلمان پیدا ہوا اور عمر بھر میں اس نے کفر نہیں کیا، وہ مطلقاً اس شخص سے افضل ہے جو کافر رہ کر مسلمان ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس کی عاقبت اعلیٰ اور افضل ہے، اسی کو اعلیٰ وافضل سمجھا جائے گا، خلفائے راشدینؓ اور اکثر مہاجرین اور انصار کے سابقینِ اولین جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے، ابتدائے عمر میں کافر تھے اور بعض ان میں سے (مثلاً حضرت عمرؓ) شدید ترین کفار میں سے تھے لیکن آخر عمر میں ان کو وہ مراتبِ عالیہ نصیب ہوئے کہ ان کی اولاد، جن کی پیدائش اسلام پر ہوئی، ان کے گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے۔

ابن تیمیہؒ کا قول | بلکہ میں کہتا ہوں[1]، جس شخص نے ذوق اور وجدان سے شر اور معصیت کو پہچانا ہو، اس کی معرفت اکمل ہے، بمقابلہ اس شخص کے جس نے شر اور معصیت کو صرف نام سے جانا ہے۔ یہاں تک کہ جو شخص صرف خیر وطاعت کو پہچانتا ہے۔ بعض اوقات اس کو ایک ایسا شر پیش آجاتا ہے جس کو وہ نہیں جانتا۔ اس لیے یا تو وہ اس میں گر جاتا ہے یا کم از کم وہ اس کی نظروں میں اتنا مبغوض نہیں ہوتا جتنا کہ اس کو مبغوض ہونا چاہیئے۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،

انما تنقض عری الاسلام | جب ایک شخص کی اسلام میں

---

[1] شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا قول ہے۔

Marfat.com

عروۃ اذا نشا فی الاسلام من لم یعرف الجاھلیۃ	تربیت ہوتی ہے اور وہ جاہلیت کو ذوق و وجدان کے ساتھ نہیں پہچانتا تو بے شک اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی مضبوط کڑیوں کو یکے بعد دیگرے کھول دیتا ہے۔

یہ نہایت سچا قول ہے کیونکہ اسلام کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ ہی سے کمال حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جس شخص نے نیکیوں کے ماحول میں تربیت پائی ہے۔ اور منکرات سے اس کو واسطہ نہیں پڑا، اس کو منکرات کی کیفیت اور حقیقت کا کما ینبغی علم بھی نہیں ہوتا اور نہ اس کو ان سے احتراز کرنے اور ان کے مرتکبین کو منع کرنے اور ان کے ساتھ جہاد کرنے کے وسائل کا علم ہوتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے ایمان اور جہاد کو کیوں تمام دنیا جہان کے ایمان اور جہاد پر فضیلت حاصل ہے؟ اگر کوئی پہاڑ کے برابر بھی نیکی کرے تو وہ نیکی صحابہؓ کی ایک سیر بھر بلکہ پاؤ بھر نیکی کے برابر بھی نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خیر اور شر دونوں کے عالم تھے ان کی نظروں میں ایمان اور عمل صالح کی قدر تھی اور کفر و معصیت ان کے نزدیک مبغوض ترین چیز تھی۔

یہی وجہ ہے کہ جس شخص نے مرض اور تنگ دستی کا مزہ چکھا ہے وہ دولت اور صحت کی قدر خوب جانتا ہے اور اس کی لذت کا بھی وہ ٹھیک احساس کر سکتا ہے مشہور ضرب المثل ہے:

الاشیاء تعرف باضدادھا ۔
والضد یظھر حسنۃ الضد وبضدھا تتبین الاشیاء

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے:

Marfat.com

لست بخب ولا یخد عنی	مجھے کوئی پوشیدہ بات دھوکے میں
الخب فالقلب السلم المحمود	نہیں رکھ سکتی۔ پس قابل تعریف
الذی یرید الخیر لما الشر	قلب سلیم وہ ہے جو نیکی کو پسند کرتا ہو
	برائی کو پسند نہ کرے۔

کمالِ انسانی یہ ہے کہ نیکی اور برائی کو پہچانے پس جو شخص شر کو نہیں پہچانتا۔ تو یہ کوئی قابلِ تعریف صفت نہیں، بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک گونہ نقص ہے۔

بنیادِ فضل وکمال بایں ہمہ اس کو ایک قاعدہ کلیہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ جس نے کفر اور معصیت کا بطورِ ذوق اور وجدان کے احساس کیا ہے وہ خواہ نخواہ کسی ایسے شخص سے افضل ہوگا جس کو کبھی کفر اور معصیت سے واسطہ نہیں پڑتا کیونکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ طبیبِ جملہ امراض کا عالم ہوتا ہے اور وہ ہر ایک مرض کی حالت اور کیفیت کو مریض سے بہتر جانتا ہے حالانکہ بہت کم امراض ایسے ہوتے ہیں جن کو ذوق اور وجدان اور ذاتی تجربہ کے طور پر وہ جانتا ہو۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی دراصل روحانی اطباء ہیں اور ان کو تمام امور کا بخوبی علم ہے جو قلوب کی اصلاح یا فساد کا موجب ہو سکتے ہیں، اگرچہ تجربہ اور وجدان کے طور پر ان کو شرور اور معاصی و ذنوب کا وہ علم نہیں ہوتا جو دوسرے لوگوں کو حاصل ہے۔

تلخیصِ مضمون ہماری پہلی تحریر کا ملخص صرف اس قدر ہے کہ بعض اشخاص کو شر اور معصیت کا تجرباتی اور وجدانی علم ہونے سے اس سے وہ نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس کو ایسا مبغوض سمجھتے ہیں جو بصورتِ دیگر متصور نہیں، مثلاً ایک شخص مشرک یا یہودی یا عیسائی رہ چکا ہے اور اس کو شبہات اور اعتراضات کا علم ہے جو مخالفینِ اسلام اس کی حقانیت اور خوبیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے وارد کیا کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کو اللہ تعالیٰ حق پہچاننے کی توفیق عنایت فرماتا ہے اور اس کو اسلام کے محاسن اور خوبیاں سمجھا دیتا ہے تو ایسا شخص اکثر اوقات اسلام میں زیادہ راسخ اور

Marfat.com

ثابت قدم ہوتا ہے۔ بمقابلہ اس شخص کے جس نے کفر اور اسلام دونوں کی حقیقت کا علم حاصل نہیں کیا، اس لیے کبھی تو اس کے دل میں اسلام اور کفر کے متعلق محبت اور بغض کا جذبہ بہت کمزور ہوتا ہے اور کبھی وہ اول الذکر کی مدح اور موخر الذکر کی مذمت کرنے میں فقط دوسروں کی تقلید کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ جس نے بھوک کا مزہ چکھا ہو پھر اس کے بعد سیر ہو کر کھانا کھایا ہو، یا جو بیمار ہوا، پھر اس کے بعد صحت یاب ہوا، یا جس نے خوف کے بعد امن کی حالتوں کو دیکھا ہو۔ پس ان امن و راحت، فقر و فاقہ اور رنج و غم کی سب حالتوں کا اندازہ شناس اس سے بدرجہا بہتر و افضل ہے جو ان کلفتوں اور راحتوں میں مبتلا نہ ہوا ہو۔

اہل بدعت کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنے فسق و فجور کی حالت میں داخل اسلام ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر حق و صداقت کا دروازہ کھول دیا اور وہ تائب ہو گئے انہیں "توبۃ النصوحا" کا مقام حاصل ہوا اور جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت سے شاد کام ہوئے پس ان کا حال، ان کی ہجرت اور ان کا جہاد زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ ان لوگوں سے جنہوں نے ان حالتوں کی چاشنی نہیں چکھی، چنانچہ نعیم بن حماد خزاعیؒ سے منقول ہے کہ:

"میں جہمیہ کے مقابلہ میں اس سے سخت ہوں کہ میں خود پہلے جہمی تھا"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النحل: ۱۱۰)	اور جن لوگوں نے ستائے جانے اور فتنہ سے تنگ آجانے کے بعد ہجرت کی، پھر انہوں نے جہاد کیا اور تکلیفوں کو برداشت کیا، بلاشبہ تیرا پروردگار اس کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔

Marfat.com

حضرت عمر بن الخطاب اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو صحابہ کرامؓ میں جو درجہ حاصل تھا، وہ کسی ایسے شخص سے پوشیدہ نہیں جو اسلام کی تاریخ سے واقف ہے ایمان و عملِ صالح کا معاملہ ہو، یا کفار و مشرکین سے جہاد کا کمال ہو، خواہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی نصرت فرمائی کا خصوصاً حضرت عمرؓ کو تمام مسلمانوں پر (جس میں صحابہؓ بھی شامل ہیں) سوائے ابوبکر صدیقؓ کے تفوق حاصل ہے، کیونکہ وہ مجسمۂ ایمان و اخلاص تھے صداقت و معرفت کے عرفان، اعلیٰ درجہ کے صاحبِ فراست اور سیاستدان تھے ایسا نورِ الٰہی تھے جو ہوائے نفس سے پاک ہو اور اقامتِ دین کے معاملہ میں بلند پایہ اور باہمت سپہ سالار تھے۔

الغرض فضائل اور کمالات کا موازنہ کرتے وقت انتہا اور آخرِ حال کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ ابتدائی حالت کا کچھ لحاظ نہیں رکھنا چاہیئے۔

Marfat.com

ساتواں باب

توبہ اور نجاتِ دارین

ذریعہ محبوبیتِ خداوندی | اسرائیلیات میں سے ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا:

اما الذنب فقد غفرناه و — گناہ تو ہم نے معاف کر دیے لیکن
اما الود فلا یعود — دوستی واپس نہیں لوٹ سکتی۔

اگر اس حکایت کی صحت کو درست مان لیا جاتا تو اس کی موجودگی میں ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آوردہ شریعت اور دین کا نام بھی نہ لے سکتے، کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین توبہ کے معاملہ کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ اگلی تمام شریعتوں میں سے کسی نے بھی اس طرح پیش نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا:

انا نبی الرحمة و انا — میں رحمت والا نبی ہوں اور میں توبہ
نبی التوبة — والا نبی ہوں۔

بلاشبہ دینِ اسلام نے وہ تمام بندشیں اور رکاوٹیں دور کر دی ہیں جو پہلے مذاہب میں موجود تھیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ — بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں
وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ○ — اور پاکیزہ رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

Marfat.com

صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث منقول ہے:

ان اللہ تعالیٰ یفرح بتوبۃ التائب اعظم من فرح الناید لما یحتاج الیہ من الطعام والشراب والمرکب اذا وجدہٗ بعد الیاس	بے شک اللہ تعالیٰ کسی توبہ کرنے والے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی اونٹنی کھانے پینے کے سامان سے لدی ہوئی گم ہو جائے اور وہ اس کی تلاش کر کے مایوس ہو جائے اور پھر وہ اچانک اسے مل جائے۔

افضلیت اعمال اب تم خود سمجھ لو کہ جس سے خدائے تعالیٰ محبت رکھتا ہے اور جس سے وہ خوش ہے۔ کیا اس کے گناہ کا کوئی اثر باقی رہ سکتا ہے جس کو فضائل اور کمالات کے موازنہ کے وقت ملحوظ رکھنا لازم ہے؟ بے شک وہ توبہ کے بعد خدائے تعالیٰ کا محبوب ہے جب خوشی اور محبتِ الٰہی کا یہ حال ہے تو کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ:

اِنَّہٗ لَا یَعُوْدُ لِمُوَدَّتِہٖ — وہ اپنی دوستی کو واپس نہیں لاتا۔

بالفاظِ دیگر توبہ کرنے والا محبتِ الٰہی کھو بیٹھتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

وَھُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ○ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ ○ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ○	وہ بخشنے والا، دوستی رکھنے والا، بزرگی والا عرش کا مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (البروج: ۱۴ تا ۱۶)

لیکن اس کی دوستی اور اس کی محبت کی کمی بیشی اس لحاظ سے ہوتی ہے جس لحاظ سے آدمی تقرب الی اللہ حاصل کرتا اور توبہ و انابت کو ذریعۂ حصول بناتا ہے اور اگر اس کے وہ اعمالِ صالحہ جو وہ توبہ کے قبل میں لاتا ہے قبل از توبہ کے اعمال سے افضل ہیں تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی بعد از توبہ

Marfat.com

کی دوستی قبل از توبہ دوستی سے زیادہ بلند مرتبہ ہوگی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو معاملہ خراب ہو جاتا، کیونکہ جزائے اعمال بھی ایک جنس ہے اور خداوندوں کو پورا پورا بدلہ دیتا ہے۔

وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ اور تیرا رب بے انصافی نہیں کرتا۔

مفصلہ بالا آیت شریفہ اور حدیث کو پڑھ کر اس حدیثِ قدسی کا مضمون بھی ملحوظ رکھنا لازم ہے جو صحاح میں منقول ہے:

مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ	جو شخص میرے کسی دوست کو دشمن
اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَ مَا	سمجھتا ہے تو یقیناً میری طرف سے
تَقَرَّبَ اِلَيَّ عَبْدِيْ بِمِثْلِ	اسے اعلانِ جنگ ہے۔ میرا بندہ
اَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَ	ان فرائض کی ادائیگی سے میرا قرب
لَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ	نہیں پاتا بلکہ میرے قرب کے لیے
اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ	کثرتِ نوافل کا شغل اختیار کرتا ہے
فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ	حتّٰی کہ مجھے اس سے محبت ہو جاتی
الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَ بَصَرَهُ	ہے، پھر میں اس کے کان بن جاتا
الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَ يَدَهُ	ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس
الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَ رِجْلَهُ	کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ
الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا فَبِيْ يَسْمَعُ	دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں
وَ بِيْ يُبْصِرُ وَ بِيْ يَبْطِشُ	جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے
وَ بِيْ يَمْشِيْ وَ لَئِنْ سَاَلَنِيْ	پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا
لَاُعْطِيَنَّهٗ وَ لَئِنِ اسْتَعَاذَنِيْ	ہے۔ پس وہ مجھ ہی سے سنتا اور مجھ
لَاُعِيْذَنَّهٗ وَ مَا تَرَدَّدْتُ	ہی سے دیکھتا اور مجھ ہی سے پکڑتا اور
فِيْ شَيْءٍ اَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِيْ فِيْ	مجھ ہی سے چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے

Marfat.com

قَبْضِ نَفْسِ عَبْدِی الْمُؤْمِنِ یَکْرَهُ الْمَوْتَ وَاَکْرَهُ مَسَاءَتَهٗ وَلَا بُدَّ لَهٗ مِنْهُ

سوال کرے تو میں ضرور پورا کرتا ہوں اور اگر میری پناہ چاہے تو اسے پناہ دیتا ہوں اور جو کچھ میں چاہتا ہوں، کر لیتا ہوں کیونکہ میرا چاہنا میرے اپنے قبضہ میں ہے۔ میرا بندہ موت سے کراہت کرتا ہے اور میں اس کی برائی ناپسند کرتا ہوں اور یہ اس کے لیے ضروری ہے۔

افضل بعد از انبیاء یہ بھی معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل ترین لوگ مہاجر اور انصار ہیں جو سابقین اولین میں سے تھے اور اپنے پروردگار سے محبت اور دوستی کا دم بھرتے تھے اور وہ بھی قبل از اسلام کفر و فسق، عصیان و طغیان سے توبہ کے بعد اس مقام عالی پر فائز ہوئے تھے۔ ان کی دوستی اور محبت کا یہ تقرب فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل کے ذریعے حاصل ہوا، اس طرح وہ خدا کے محبوب و مقبول اور دوست اور محب صادق بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (الممتحنہ: ۷)

عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جو تمہارے ساتھ عداوت رکھتے ہیں، آپس کی الفت پیدا کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ آیت ان مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے جنگِ احزاب میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ دشمنی کی تھی۔ جیسے ابوسفیانؓ بن حرب، ابوسفیان

Marfat.com

بن حرث، حرث بن ہشام، سہیل بن عمر، عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ وغیرہ، پھر انہی لوگوں نے اپنی دشمنی کے بعد رسول اللہ اور مسلمانوں سے خدا کو درمیان میں لاکر دوستی کا عہد و پیمان باندھا تھا اور یہی ان کی فضیلت کی وجہ ہے۔ پھر عکرمہ، سہیل، حرث بن ہشام تینوں کی دوستی ابوسفیان کی دوستی سے بھی افضل ہے۔ نیز صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ:

ان ھند امرأۃ ابی سفیان	ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہ نے کہا جو
ام معاویة قالت واللہ یا	معاویہؓ کی ماں تھی، خدا کی قسم اے اللہ
رسول اللہ ما کان علی	کے رسولؐ! روئے زمین پر کوئی بھی
وجه الارض اھل خباء	گھرانہ نہیں تھا جو مجھے زیادہ محبوب ہو
احب الی ان یذلوا من	اگرچہ وہ ذلیل ہوں، آپ کے گھرانہ
اھل خباءك وقد اصبحت	سے اور اب میری یہ حالت ہوگئی
وما علی وجه الارض	ہے کہ روئے زمین پر کوئی گھرانہ نہیں
اھل خباء احب الی ان	جسے زیادہ محبوب جانوں، اگرچہ وہ
یعزوا من اھل خباءك	زیادہ معزز ہوں آپ کے گھرانہ سے۔
فذکر النبی صلی اللہ علیه	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی
وسلم نحو ذلك	بیان فرمایا۔

نیز یہ مسلّم امر ہے کہ مومنوں کی محبت اور دوستی، اللہ کی محبت کے تابع ہے کیونکہ موثق ترین ایمان الحب فی اللہ والبغض فی اللہ ہے۔ پس اللہ کیلئے محبت کمالِ توحید سے ہوتی ہے اور اللہ کی سی محبت کرنا شرک ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ	انسانوں میں سے کچھ انسان ایسے
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا	بھی ہیں جو خدا کو چھوڑ کر دوسری ہستیوں

Marfat.com

يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ: ۱۶۵)	کو اس کا شریک بنا لیتے ہیں جنہیں وہ اس طرح محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہیئے۔ حالانکہ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ سب سے زیادہ محبوب اللہ کو سمجھتے ہیں۔

دوستی اور دشمنی کا اصول یہی دوستی رسولؐ اور مومنوں کے مابین ہوتی اور ان مشرکین کے درمیان بھی ہوتی جنہوں نے ان کے ساتھ دشمنی کی ہوتی، حقیقی دوستی اور محبت وہی ہے جو صرف اللہ کے لیے ہو، جو اللہ کو محبوب جانتا ہے اللہ اسے خوب محبوب رکھتا ہے اور جو اللہ کو دوست بناتا ہے، اللہ اسے دوست بنا لیتا ہے۔ پس جان لو کہ توبہ کے بعد اللہ انہیں اس طرح محبوب اور دوست بنا لیتا ہے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ توبہ کرنے والا بخشش تو حاصل کر لیتا ہے مگر دوستی حاصل نہیں کرتا۔

اگر سائل کا یہ اعتراض ہو کہ کافر ہونے کی وجہ سے وہ یہ نہیں جانتے کہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ فعلِ حرام ہے۔ بلکہ وہ تو جاہل تھے، اس لیے نادانستہ ایک حرام فعل کے مرتکب ہوئے۔ اس کا جواب دو طرح پر ہے:

اوّل تو یہ بات غلط ہے کہ انہوں نے نادانستہ ارتکابِ حرام کیا ہو کیونکہ اکثر کافر بھی جانتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور حسد و تکبر کی بنا پر آپؐ سے دشمنی کرتے تھے جیسے مثلاً ابوسفیانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبریں عالمِ یرموک میں امیہ بن ابوصلت اور ہرقل بادشاہِ روم سے سنی تھیں پھر بھی وہ اسلام کے بہی خواہ نہ بنا اور اللہ اور اس کے رسولؐ سے بہت بڑی دشمنی کرتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ مشرف باسلام ہوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

Marfat.com

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا○ یُضٰعَفْ لَہُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَیَخْلُدْ فِیْہٖ مُھَانًا○ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ (الفرقان: ۶۸ تا ۷۰)	جو لوگ اللہ کے ہمراہ کسی دوسرے معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس جان کو مارنا حرام کر دیا ہے اسے نہیں مارتے مگر حق کے ساتھ اور نہ ہی وہ زنا کرتے ہیں۔ جو شخص ایسا کرے گا وہ سخت عذاب پائے گا۔ قیامت کے دن اسے عذاب دگنا کر دیا جائے گا اور وہ ذلیل ہو کر اس میں ہمیشہ رہے گا مگر جو شخص توبہ کر لے اور نیک کام کرے یہی لوگ ہیں جن کے گناہ نیکیوں سے بدل دے گا۔

پس نیکیاں ہی ہیں جو ان کے لیے اللہ کی دوستی کا موجب ہوئیں اور برائیوں کو نیکیوں سے بدلنا ان لوگوں کے لیے ہرگز مخصوص نہیں ہے جو کافر رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سب کی توبہ کو شرف قبولیت حاصل ہوتا ہے:

اِنَّمَا التَّوْبَۃُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِکَ یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا○ (النسآء: ۱۷)	اللہ کے حضور توبہ کی قبولیت انہی لوگوں کے لیے ہے جو برائی کی کوئی بات نادانی و بے خبری سے کر بیٹھتے ہیں تو پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں تو ایسے ہی لوگ ہیں۔ اللہ ان کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جانتا حکمت والا ہے۔

Marfat.com

حضرت ابوالعالیہؒ کہتے ہیں کہ میں نے صحابہؓ سے اس آیت کریمہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا جس کسی نے اللہ کی نافرمانی کی وہ جاہل ہے اور جس کسی نے مرنے سے پہلے توبہ کرلی تو اس کی توبہ عنقریب قبول ہوگی۔

معیارِ محبوب اللہ دوسرے دونوں قسم کی توبہ کے درمیان جو فرق کیا جاتا ہے خواہ گنہگار کی توبہ ہو یا مطلق توبہ۔ تو اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے خواہ وہ جانتے ہوں کہ وہ گنہگار ہیں یا نہ جانتے ہوں۔ اس لیے جو شخص اپنے کو مجرم گردان کر توبہ کرے گا تو ضروری ہے کہ اس کی مذموم صفت، محمود سے بدل دی جائے، یعنی اگر وہ حق کو مبغوض جانتا تھا تو وہ اسے محبوب جاننے لگے گا اور اگر باطل چیز سے محبت کرتا تھا تو وہ اسے ناپسند کرنے لگ جائے گا۔ پس اس طرح توبہ کرنے والے کو معرفتِ حق حاصل ہوگی۔ حق کو اچھا سمجھ کر اس پر کاربند ہو جائے گا اور باطل کو برا جان کر اس سے اجتناب کرے گا۔ سو یہی باتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا، ان سے خوش ہوتا اور محبت کرتا ہے۔ اس طرح جس بندے کا بھی جو کام محبوبیتِ حق میں جس قدر عظیم ہوگا، حق تعالیٰ بھی اسی قدر عظیم محبت سے پیش آئے گا اور اسے مکروہات سے پھیر کر پسندیدہ کاموں کی طرف منتقل کر دے گا اور ساتھ ہی وہ اس قوت کے ساتھ جس سے وہ باطل کو مبغوض جانے گا۔ خدا کی پسندیدہ چیزوں کو محبوب سمجھنے لگ جائے گا۔ پس یہ محبت حق کی زیادتی کا موجب ہوگی اور اس کی دوستی سے بہرہ مند ہونے کی بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو نیکیوں سے اس لیے بدل ڈالے گا کہ اس نے اپنی مذموم صفات کو محمود اور قابلِ تعریف بنا لیا ہے۔

جزائے اعمال بھی چونکہ ایک جنس ہے اور جب توبہ کرنے والا خدا کی پسندیدہ چیزوں کا راس المال بہ نسبت دوسروں کے زیادہ لے کر آئے گا تو خدا کی محبت بھی عظیم ترین ہوگی اور جب اس کے کام جن کو اللہ دوست رکھتا ہے توبہ قبول کرنے سے پہلے

Marfat.com

کاموں سے زیادہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ بھی توبہ کرنے کے بعد اس سے زیادہ دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا، پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ:۔

المؤدۃ لا یعود | خدا کی دوستی حاصل نہیں ہوتی۔

الغرض یہ کہنا جیسے کہ بعض اسرائیلیات سے منقول ہے کہ "توبہ کرنے سے معرفت تو حاصل ہو جاتی ہے لیکن خدا کی دوستی حاصل نہیں ہوتی اور اس کی محبت سے انسان محروم رہتا ہے"، ایک سراسر لغو اور باطل قول ہے۔

اہلِ تشیع کے عقیدے کی تردید

قبل از نبوّت معصومیٔ انبیاءؑ | اس تقریر سے ان لوگوں کے شبہہ کا جواب ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نبی کے لیے ضروری ہے کہ نبوت سے پہلے بھی وہ گناہوں سے معصوم ہو۔ جیسا کہ بعض اہلِ تشیع کا اعتقاد ہے اور اسی طرح جس نے کہا کہ ہر نبی کے لیے ضروری ہے کہ نبوت سے پہلے بھی مومن ہو کیونکہ ان لوگوں کو یہی غلط فہمی ہے کہ کسی گناہ کا صادر ہونا ہمیشہ کے لیے اس کے مرتکب کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگ جاتا ہے۔ چاہے اس نے اس سے توبہ کر لی ہو لیکن ہم نے تم پر ثابت کر دیا ہے کہ سچی توبہ کے بعد آدمی خدائے تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور گذشتہ افعال سے اس کی تنقیص نہیں کی جا سکتی اور جو لوگ اس کو نقص خیال کرتے ہیں وہ بھاری غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں جو مذمت اور عقوبت کسی گناہ کا نتیجہ ہو سکتی ہے، وہ اس شخص کے لیے ہرگز نہیں جو اس سے تائب ہو چکا ہے۔

Marfat.com

تاخیر و توقف قابلِ پاداش | البتہ اگر گناہ صادر ہونے کے بعد توبہ میں تاخیر کی جائے اور توقف کے مناسب حال سزا کا وہ مستوجب ہوگا لیکن انبیاء علیہم السلام نے کبھی توبہ میں تاخیر نہیں کی اور اگر بالفرض کسی نے کچھ تاخیر کی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً اس کو آزمائش میں ڈالا جس سے اس کا کفارہ ہوگیا۔ چنانچہ ذی النون (یونس علیہ السلام) کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ نبوت کے بعد یہ واقعہ پیش آیا اور جو شخص کہتا ہے کہ قبل از نبوت کا واقعہ ہے تو یہ بات چنداں قابلِ التفات نہیں، کیونکہ کفر و ذنوب سے توبہ کرنے والے بہرحال ان لوگوں سے افضل ہیں جو سرے سے کفر و ذنوب میں ملوث نہیں ہوئے۔ جب ان کی فضیلت متحقق ہوگئی تو ضروری ہے کہ فضیلت والے نبوت کے زیادہ حقدار ٹھہریں۔

بُطلانِ عقیدۂ باطلہ | بہرکیف قرآنِ کریم کے نصوص اس قول کو باطل قرار دیتے ہیں کہ توبہ کے بعد بھی انسان اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم رہتا ہے مثلاً حضرتِ یوسف علیہ السلام کا قصہ قرآن کریم میں پڑھو تو تم پر واضح ہو جائے گا کہ آپؑ کے بھائیوں نے آپؑ کے ساتھ کیا کچھ کیا اور کن کن گناہوں کے وہ مرتکب ہوئے لیکن بایں ہمہ اسباطِ یعقوب علیہ السلام کا نبی ہونا قرآن کریم کی آیات سے ثابت ہے۔ خود حضرت یوسف علیہ السلام توبہ کے بعد ان سے اس طرح مخاطب ہوئے کہ:

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ | آج تم پر کچھ ملامت نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

فَآمَنَ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي (العنکبوت: ۲۶) | پس ان پر لوط ایمان لے آئے اور کہا بے شک میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔

جس کے بعد اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو اپنی

Marfat.com

قوم کی طرف پیغمبر بنا کے بھیجا اور ان کی پیغمبری کا قصہ کئی جگہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔
حضرت شعیب علیہ السلام کے قصے کے اثناء میں آتا ہے:

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ط عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ

شعیب علیہ السلام کی قوم کے گردن کشوں نے کہا، اے شعیب ہم تم کو اور جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو بھی اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔ شعیبؑ نے کہا اگر ہم تمہارے دین سے متنفر بھی ہوں، تب بھی؟ جب اللہ نے ہمیں تمہارے باطل مذہب سے نجات بخشی ہے تو اگر اب ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہاری طرف لوٹیں مگر جو کچھ ہمارا رب چاہے۔ ہمارے رب کا علم ہر ایک چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ ہمیں اللہ پر پورا بھروسہ ہے۔ اے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کھول دے۔ اور تو بہتر کھولنے والا ہے (حق کا)

الاعراف: ۸۸، ۸۹

Marfat.com

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَا اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ

(الرعد: ۱۳، ۱۴)

منکروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تمہیں اپنے ملک سے ضرور نکال باہر کریں گے۔ یا پھر تم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ۔ ہم نے رسولوں پر وحی بھیجی اب ہم ان ظالموں کو ہلاک کر ڈالیں گے اور ان کے بعد تمہیں اس سرزمین میں جگہ دیں گے۔ یہ اس کے لیے ہے جو ہماری حکومت سے ڈرا اور ہماری وعید سے خائف ہوا

الغرض گناہ صادر ہو جانے کے بعد تائب ہونا تنقیص کا موجب نہیں بلکہ توبہ بھی منجملہ دیگر فضائل اور کمالات کے ایک فضیلت اور کمال ہے۔

Marfat.com

بلا استثناء فرضیّتِ توبہ

حُصُولِ کمال کا ذریعہ ہر ایک شخص پر توبہ فرض کی گئی ہے کیونکہ توبہ ہی اس کے لیے حصولِ کمال کا ذریعہ ہے۔ کلامِ مجید میں ہے:۔

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا	بے شک نوعِ انسانی بہت ظالم اور جاہل ہے اس کا انجام اور نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے گا، اور مومن مردوں اور مومن عورتوں پر ان کی توبہ کی وجہ سے رحمت کے ساتھ رجوع فرمائے گا اور بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(الاحزاب: ۷۳)

بالفاظِ دیگر نوعِ انسانی کے ہر ایک فرد کا کمال اس میں ہے کہ وہ تائب ہو، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا	مومنو! تم سب اللہ کی طرف رجوع

Marfat.com

اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (النور:۳۱)	کرو (اس کی بارگاہ میں) تائب ہو جاؤ) تب یہ امید رکھو کہ تم کامیاب ہوگے۔

موردِ عنایتِ الٰہی اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں اس بات کی خبر دی ہے کہ آدم اور نوح علیہما السلام اور دیگر انبیائے عظام حتیٰ کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے توبہ کی اور موردِ عنایات ہوئے۔ سب سے آخر میں جو آیتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ اِن میں سے چند ایک یہ ہیں:۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا --- --- (النصر: ۱تا۳)	جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت اور فتح مندی کا ظہور ہوگا اور تم دیکھو گے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں تو تم اللہ تعالیٰ کی پاکی اور اس کی حمد بیان کرو اور اس سے مغفرت طلب کرو بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا اور رجوع کرنے والا ہے۔

اُسوۂ نبیؐ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپؐ اکثر رکوع و سجود میں یہ الفاظ دہرایا کرتے تھے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ---	پاک ہے تو اے اللہ ہمارے پروردگار! اور تیرے لیے ہی سب تعریف ہے۔ یا اللہ! مجھے بخش دے۔

یہ قرآن کریم کی تاویل ہے اور اس سے قبل فرمایا ہے:۔

Marfat.com

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ --------- --------- (التوبہ : ۱۱۷)	بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور ان مہاجرین وانصار کی توبہ قبول فرمائی جنھوں نے تنگی کے وقت میں آپ کا ساتھ دیا۔ ان کے توبہ کرنے اور پھر ان کی توبہ مقبول ہونے سے پیشتر قریب تھا کہ ان میں سے ایک فریق کے دل راہِ راست سے منحرف ہوں۔ اس حالت کے بعد اللہ نے ان پر رحمت کے ساتھ رجوع فرمایا اور ان کی توبہ قبول کی۔ بیشک وہ ان پر نہایت ہی مہربان ہے۔

(۲۰) ستر بار سے زیادہ مرتبہ توبہ | صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول منقول ہے کہ:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ رَبِّكُمْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً --------- ---------	لوگو! اللہ کی طرف رجوع کرو اور تائب ہو جاؤ۔ مجھے اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ بے شک میں دن بھر میں ستر سے بھی زیادہ مرتبہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں تائب ہوتا ہوں۔

Marfat.com

استغفار کی دعائیں

سو سو بار توبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ:

انی لیغان علی قلبی و انی لاستغفر اللہ فی الیوم مائۃ مرۃ	بے شک میرا قلب گاتلہے اور دن میں سو بار اللہ سے بخشش مانگتا ہوں۔

سنن میں ابو عمرؓ سے منقول ہے کہ ہم گنتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی مجلس میں مندرجہ ذیل کلمات سو بار کہے:

رب اغفر لی و تب علیّ انک انت التواب الغفور	میرے پروردگار مجھے بخش دے اور میری توبہ قبول فرما۔ بیشک تو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا بخشنے والا ہے۔

قومۂ نماز کی دعا صحیحین میں ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَھْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ	یا اللہ! میری خطاؤں، میری نادانی اور میرے کاموں میں میرا اسراف اور جو میرے عیوب تجھ پر ظاہر ہیں سب معاف فرما دے۔ یا اللہ میری

Marfat.com

هَزْلِیْ وَ جِدِّیْ وَخَطَائِیْ	ہزلیات اور میری قصداً خطائیں اور
وَ عَمَدِیْ وَ کُلَّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ	بھول چوک اور ایسی ہی میری اور غلطیاں
اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ	بخش دے، یا اللہ میری مقدم ومؤخر
وَ مَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ	اور پوشیدہ اور علانیہ کی خطائیں اور جو
وَمَا اَعْلَنْتُ وَ مَا اَنْتَ اَعْلَمُ	کچھ عیوب تو میرے متعلق جانتا ہے،
بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ	سب معاف فرمادے، تو ہی مقدم
اَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَ اَنْتَ عَلٰی	اور تو ہی مؤخر ہے اور تو ہی ہر طرح کی
کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ	سب باتوں پر قادر ہے۔

تکبیر تحریمہ اور قراءۃ کی درمیانی دعا

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا، یارسول اللہ! تکبیر اور قراءۃ کے درمیان خاموش رہ کر آپ کیا پڑھتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا، میں یہ دعا پڑھتا ہوں:

اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ	بارخدایا! میرے اور میرے گناہوں
خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ	کے درمیان مشرق اور مغرب کا فاصلہ
الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ	ڈال دے۔ بارخدایا! مجھے گناہوں
اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا	سے اس طرح پاکیزہ بنادے جیسے
کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ	سفید کپڑے کو میل کچیل سے اجلا کر
مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ	لیا جاتا ہے۔ بارخدایا! میرے گناہوں
خَطَایَایَ بِالْمَاءِ وَ الثَّلْجِ	کو (رحمت کے) پانی اور برف اور
وَ الْبَرَدِ	اولوں سے دھو ڈال۔

صحیح مسلم کی ایک روایت ہے کہ آپؐ رکوع سے سر اٹھاکر بھی یہی الفاظ زبان پر لاتے تھے۔

Marfat.com

آغازِ نماز کی دُعا | نیز صحیح مسلم میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْمَلِکُ لَا اِلٰہَ	بارخدایا! تو بادشاہ ہے۔ تیرے بغیر کوئی
اِلَّا اَنْتَ رَبِّیْ وَ اَنَا عَبْدُکَ	اور معبود نہیں، تو میرا پروردگار ہے اور
ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ عَمِلْتُ سُوْٓءً	میں تیرا بندہ ہوں۔ میں نے اپنے نفس
فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا	پر ظلم کیا اور برائیاں کیں بے شک سوائے
اَنْتَ اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ لِاَحْسَنِ	تیرے اور کوئی گناہوں کا بخشنے والا
الْاَخْلَاقِ لَا یَھْدِیْ لِاَحْسَنِھَا	نہیں۔ بارخدایا! مجھ کو بہترین اخلاق
اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّیْ	واعمال کی ہدایت فرما۔ سوائے تیرے
سَیِّئَھَا فَاِنَّہٗ لَا یَصْرِفُ	اور کوئی یہ ہدایت دینے والا نہیں اور
عَنِّیْ سَیِّئَھَا اِلَّا اَنْتَ	برے اخلاق واعمال مجھ سے دُور رکھ
----------	بیشک تیرے سوا اور کوئی مجھ کو ان سے
----------	دور نہیں رکھ سکتا۔

سجدے کی دُعا | اسی طرح صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں کہا کرتے تھے کہ:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ کُلَّہٗ	بارِ خدایا! میرے تمام چھوٹے اور بڑے
دِقَّہٗ وَجِلَّہٗ وَعَلَانِیَتَہٗ	ظاہر اور پوشیدہ، اگلے اور پچھلے گناہ
وَسِرَّہٗ وَاَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ	بخش دے۔

سواری کی دُعا تلقین | سنن کی کتابوں میں حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب سواری لائی گئی تو آپؐ نے اللہ تعالےٰ کی تعریف کی اور یہ آیت پڑھی:

Marfat.com

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ	پاک ہے وہ خدا جس نے اس قسم کی سواری کو ہمارے لیے مسخر کیا، حالانکہ ہم ان کے مقابلے کے نہیں تھے۔ اور بیشک ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔
(زخرف: ۱۴)	

پھر تکبیر کہہ کر حمد کے الفاظ زبان پر لائے اور فرمایا:

سُبْحَانَكَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ	تو پاک ہے میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ مجھ کو بخش دے بے شک تیرے سوا کوئی اور گناہوں کی مغفرت نہیں فرماتا۔

پھر آپ نے ہنس دیا اور فرمایا:

اِنَّ الرَّبَّ یُعْجِبُ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا قَالَ اغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ	بے شک پروردگارِ عالم اپنے بندے پر تعجب کرتا ہے جب وہ کہتا ہے، خدایا مجھے بخش دے، کیونکہ تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں۔

قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں مخاطب فرمایا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ	تم اپنے گناہوں کے لیے اور دیگر مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے مغفرت طلب کرو۔

قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا	بے شک ہم نے تم کو نمایاں فتح مندی

Marfat.com

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ | عنایت کی اور بالآخر اللہ تعالیٰ تمہارے اگلے اور پچھلے گناہوں کو بخش دے گا

صحاح میں روایت شفاعت میں ثابت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اپنی امت کو جب وہ ان کے پاس شفاعت کی غرض سے حاضر ہوں گے تو فرمائیں گے :۔

اِذْهَبُوْا اِلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدٍ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَ مَا تَأَخَّرَ | محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیے ہیں

دوسری حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر لمبا قیام فرماتے تھے کہ آپؐ کے دونوں قدم مبارک متورم ہو جاتے۔ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ آپ اس قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا:

افلا اکون عبدا شکورا | کیا میں اللہ تعالےٰ کا شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں۔

Marfat.com

مفسّرین کی غلط تاویلیں

فرقہ جہمیہ باطنیہ کی توجیہ الغرض کہاں تک قرآن اور حدیث کے حوالے بیان کیے جائیں اور صحابہ و تابعین اور علمائے سلف کے اقوال سنائے جائیں لیکن جو لوگ بزعم خود انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہونے کو ان کے لیے کسرِ شان خیال کرتے ہیں۔ وہ ان نصوص کی اسی طرح تاویلیں کرتے ہیں، جس طرح جہمیہ اور باطنیہ نے اسماء اور صفاتِ الٰہیہ تعالیٰ شانہٗ کے حقائق سے انکار کرنے کے لیے گھڑلی ہیں جن کو تاویل کے بجائے تحریف کہنا انسب معلوم ہوتا ہے۔

غلط توجیہ کی ایک مثال مشتے نمونہ از خروارے وہ یہ کہتے ہیں کہ:

"مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ سے آدم علیہ السلام کی لغزش مراد ہے اور وَمَا تَأَخَّرَ کا مفہوم یہ ہے کہ ہم تمہاری امت کے گناہ بخش دیں گے۔"

یہ توجیہ بالکل غلط ہے اور اس کے متعدد وجوہ ہیں۔

وجوہاتِ سبعہ یہ آیت باتفاق مفسرین واہل حدیث صلح حدیبیہ کے موقع پر

(۱) نازل ہوئی ہے لیکن آدم علیہ السلام کا گناہ تو ان کے زمین پر آنے سے پہلے ہی بخشا جا چکا تھا اور ان کی توبہ قبول ہو چکی تھی جیسے کہ قرآن شریف میں مختلف جگہوں پر یہ قصہ پڑھنے سے واضح ہو جاتا ہے، فرمایا:

وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى | آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار کی

Marfat.com

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى (طٰہٰ: ۱۲۱، ۱۲۲)	نافرمانی کی تو وہ بے راہ ہوگیا، پھر اس کے پروردگار نے اسے برگزیدہ کیا، اس کی توبہ قبول کی اور وہ ہدایت یاب ہوا

دوسری جگہ ہے:

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (البقرہ: ۳۷)	پھر آدمؑ نے اپنے پروردگار سے چند کلمے سیکھے۔ اللہ نے اس کی توبہ قبول کرلی۔ وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اور قرآن نے بیان کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے یہ دعا کی:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف: ۲۳)	اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم ضرور زیاں کاروں میں سے ہو جائیں گے۔

(۲) علاوہ ازیں آدم علیہ السلام بھی تو نبی ہیں اور جو لوگ عصمتِ انبیاءؑ کے ان معنوں میں قائل ہیں کہ ان سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا اور اس بارے میں آدم اور محمد علیہما الصلوٰۃ میں کوئی فرق نہیں کرتے اس لیے ان کی اس توجیہ کو مانتے ہوئے بھی دلیل کا زور قائم رہتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے متعدد آیتیں نازل فرما کر اپنا اٹل قانون یہ بتایا ہے کہ:

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى	کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔

اس لیے سمجھ میں نہیں آتا کہ آدم علیہ السلام یا آپؑ کی امت کے گناہوں کو کیوں

Marfat.com

آپؐ کی طرف منسوب کیا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے:

فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ (النور: ۵۴)	اس چیز کا بوجھ اسی پر ہے جس نے اسے اٹھایا اور تم پر اس کا بوجھ ہوگا جو تم اٹھاؤ گے۔

اور پھر فرمایا:

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ	اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑائی کرو۔ تم اپنے نفس کے ہی ذمہ دار ہو۔

اگر کسی دوسرے کے گناہ کی ذمہ داری دوسرے پر عائد کرنا جائز ہوتا تو پھر یہ بھی جائز ہوتا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے سب کے سب گناہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیے جا سکیں تو پھر کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ان کے پاس کیا جواب ہے کہ:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ	اللہ تعالیٰ نے آپ کے سب اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیے۔

آپؐ سے قبل تمام نبیوں اور ان کی امتوں کے گناہوں کا جو بیان ہے تو دراصل اس سے مراد قیامت کا دن ہے جو آپؐ سب مخلوقات کے لیے شفاعت کریں گے آپؐ بنی نوع انسان کے سردار ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا:

انا سید ولد ادم ولا فخر ادم فمن دونه تحت لوائی یوم القیامة انا خطیب الانبیاء اذا وفدوا وامامهم اذا اجتمعوا	قیامت کے دن میں بنی نوع انسان کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں حضرت آدم بھی میرے جھنڈے تلے ہوں گے میں تمام نبیوں کا خطیب ہوں گا جب وہ وفد کی شکل میں خدا

Marfat.com

----------	کے حضور حاضر ہوں گے اور ان کا امام
----------	ہوں گا۔ جب وہ سب جمع ہوں گے

پس اس طرح حضرت آدمؑ کے گناہ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے سے کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ تو اولین و آخرین سب کے گناہ آپ کے ذمہ لگاتے ہیں اور اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ تمام امتوں کے گناہ نہیں بخشے گا تو وہ کہیں گے کہ آپؐ کی تمام امت کے گناہ بھی نہ بخشے گا۔

(۴) اس آیت سے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ (محمدؐ: ۱۹)	اپنے اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کے گناہوں کی بخشش طلب کرو۔

واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کا گناہ امت کا گناہ نہیں اور نہ ہی امت کے گناہ آپؐ کی طرف منسوب کیے جا سکتے ہیں ورنہ صرف وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ کہنا کافی ہوتا۔ پھر ایک مومن کا گناہ کس طرح آپؐ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے؟

(۵) صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ	اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے۔

تو صحابہ کرام نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا، "یہ تو آپ کے لیے اور ہمارے لیے"؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ	اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مومن مرد اور عورتوں کو جنت کے باغوں میں

Marfat.com

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (الفتح: ۵)	داخل فرمائے گا جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

اور فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ	اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں میں اطمینان اور سکینت اتارتا ہے تاکہ ان کے ایمان میں اور اضافہ ہو۔ (الفتح: ۴)

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جانتے تھے کہ لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ کی آیت آپ ہی کے لیے ہے اور امت اس کے مفہوم میں داخل نہیں۔

(۶) یہ ایک یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام امت کے گناہ نہیں بخشے ہیں، لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ مَا تَاَخَّرَ سے آپ کی امت کے گناہ مراد ہیں کیوں کہ آپ کی امت میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جن کو دنیا ہی کی زندگی میں اور نیز آخرت میں ان کے گناہوں پر مواخذہ اور عذاب ہوتا ہے اور ہوگا۔ صادقِ مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بابت خبر دی ہے اور ائمہ سلف کا اس پر اتفاق ہے اور اس قسم کے واقعات روزمرہ دنیا میں مشاہدہ کیے جاتے ہیں۔ جن کا شمار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا، جیسے اس نے کلام مجید میں فرمایا ہے:

لَیْسَ بِاَمَانِیِّكُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ وَلَا یَجِدْ	اللہ تعالیٰ کے احکام اور قوانین نہ تو تمہاری (مسلمانوں کی) آرزوؤں کے تابع ہیں اور نہ اہلِ کتاب کی آرزوؤں

Marfat.com

لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ
لَا نَصِيْرًا ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ
مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ
اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ
وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ○

(النساء : ۱۲۳، ۱۲۴)

پر کچھ منحصر ہے (خدا تعالیٰ کا اٹل قانون
تو یہ ہے) جس شخص نے کچھ بھی برائی
کی وہ اس کی سزا بھگتے گا اور اللہ تعالیٰ
کے بغیر کوئی بھی اس کا دوست اور
مددگار نہیں ہوگا لیکن جس کسی نے
نیکیاں کیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت
بشرطیکہ وہ مومن ہو تو بے شک یہ
لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور
ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(۷) اس آیت کے مضمون سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ استغفار اور توبہ ترکِ افضل پر کی جاتی ہے۔ جو شخص فضیلت کا درجہ حاصل کرتا ہے وہ اپنی پہلی حالت سے یقیناً تائب ہوتا ہے لیکن مذمت اور وعید صرف گناہوں کے سرزد ہونے پر کی جاتی ہے۔

Marfat.com

مقبولیّت توبہ اور اعتراف گناہ

مومن موحد کی مغفرت سائل نے اپنے استفسار میں یہ بھی دریافت کیا ہے کہ کیا توبہ کی مقبولیت اور گناہوں کی بخشش اور جو پاداش اور تکلیف گناہوں کی وجہ سے صادر ہو چکی ہے، اسے دور کرنے کے لیے صرف گناہ کا اعتراف کر لینا ہی کافی ہے یا کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص موحد ہے تو مامور بہ کے طور پر توبہ کر لینا اس کے لیے ہر ایک گناہ کی مغفرت کا موجب ہے۔

ناقابلِ بخشش گناہ ساتھ ہی یہ تفصیل بھی یاد رکھ لو کہ شرک کو بغیر توبہ کے اللہ تعالےٰ کبھی نہیں بخشتا اور اس سے کم درجہ کے دوسرے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ سورۂ نساء میں دو جگہ یہ آیت آئی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: ۴/۴۸، ۱۱۶)	بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا اور اس سے کم تر درجہ کے ہر ایک گناہ کو اگر چاہے تو بخش دے۔

ان آیتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ شرک سے کم تر درجہ کے گناہ بغیر توبہ کے بھی بخشے جائیں گے لیکن ان کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ مشروط ہے

لہ سوال نمبر ۶ کا جواب یہاں سے شروع ہوتا ہے۔

Marfat.com

البتہ توبہ کے ساتھ سب گناہ شرک اور غیر شرک بخشے جاتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ

(الزمر: ۵۳، ۵۴)

کہہ دو! اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس مت ہونا۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے اور تم کو چاہیے کہ اپنے رب کی طرف رجوع کرو (تائب ہو جاؤ) اور اس کے مطیع ہو جاؤ پیشتر اس کے کہ تم پر عذاب نازل ہو کیونکہ پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔

یہاں چونکہ توبہ کے ذریعہ گناہوں کا بخشا جانا مقصود ہے اس لیے تعمیم کی تاکید فرمائی ہے تاکہ شرک اور غیر شرک سب گناہوں کو شامل ہو۔

مشرک و موحد ایک دوسری جگہ بھی توبہ کے بعد شرک اور کفر بخشے جانے کی تصریح فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ

(الانفال: ۳۸)

ان لوگوں سے کہہ دو جنہوں نے کفر اختیار کیا، اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ ان کو بخش دیا جائے گا۔

الغرض ایک موحد شخص جو گناہ کا اعتراف کرتا ہے اگر اس کا یہ اعتراف توبہ کی شروط پر مشتمل ہے تو یقیناً اس کے گناہ بخشے جائیں گے جب گناہ بخشے گئے

Marfat.com

تو عقوبت بھی ٹل جاتی ہے کیونکہ مغفرت کے معنی ہی گناہوں کی برائی سے بچانا ہے تاکہ گناہوں کی عقوبت نہ جھیلنی پڑے اور سزا نہ ملے۔

معانی لفظِ مغفرت | بعض علماء کا قول ہے کہ مغفرت کے معنی پردہ پوشی کے ہیں، اس لیے اس کا نام مغفرت رکھا، لیکن غفار کے معنی ہیں۔ گناہوں پر پردہ ڈالنے والا" اس سے مغفرت کا پورا مفہوم ظاہر نہیں ہوتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ کا اسم حسنیٰ غفار ہے۔ کیونکہ وہ ستار ہے کہ پردہ پوشی کرتا ہے اور یہ مغفرت کے معنوں کی تقصیر ہے۔ کیوں کہ مغفرت کے معانی گناہ کے شر سے اس طرح بچائے جانے کے ہیں کہ ان پر عقوبت نہ ہو تو جس کے گناہ بخشے گئے اسے عذاب نہ ہوگا، لیکن ستر یعنی پردہ ڈالنے کی حالت میں یہ ممکن ہے کہ در پردہ باطن میں اس پر عقاب یا عتاب نازل ہو جس کے بالفاظِ دیگر یہ معنی ہیں کہ گناہ کا اثر زائل نہیں ہوا۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ باوجود مغفرت کے کسی کو آزمائش میں ڈالا جائے تاکہ اس کے لیے اجر اور ثواب کی زیادتی کا موجب ہو۔ یہ مغفرت کے منافی نہیں۔

اسی طرح بعض گناہوں کے پورے طور پر بخشے جانے کے لیے خاص نیکیوں کا بجالانا ضروری ہوتا ہے۔ یہ توبہ کے مفہوم میں داخل ہے اور اسی طرح ہم نے مغفرت کے لیے اعتراف کے ساتھ توبہ کی شرط لگادی ہے۔

تائب اور تارک میں فرق | ایک اور نکتہ بھی قابلِ ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض اوقات انسان اپنے آپ کو تائب خیال کرتا ہے حقیقت میں وہ تائب نہیں بلکہ وہ تارک ہوتا ہے لیکن "تارکِ گناہ" اور "تائب از گناہ" میں بہت بڑا فرق ہے، بعض اوقات اس لیے آدمی گناہ کے ارتکاب سے بچا رہتا ہے کہ گناہ کا تصور اس کے دل میں نہیں آیا ہوتا، یا اس کے ارتکاب میں وسائل کا ہونا سنگِ راہ ہو جاتا ہے یا اس کے چھوڑنے کا باعث اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نہیں بلکہ کوئی اور غرض ہوتی ہے اس لیے

Marfat.com

اس طرح گناہ کے ارتکاب سے بچا رہتا ہے اور اس گناہ کا نہ کرنا توبہ نہیں کہلاتا بلکہ توبہ کے تو یہ معنی ہیں کہ وہ گناہ کو برائی سمجھے اور کسی فعل کی برائی کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس لیے ارتکاب کو ناپسند خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس کو چھوڑ دینے کا باعث صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا خیال ہو کسی مخلوق کی بیم و امید اور کسی نفسانی غرض کا اس میں دخل نہ ہو، کیونکہ توبہ ایک عظیم الشان نیکی ہے اور ہر ایک نیکی میں اللہ تعالےٰ کے حکم کی پابندی اور اخلاص سب سے پہلی شرط ہے۔ جیسے کہ فضیل بن عیاض نے آیت "لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا" (الملک: ۲) کی تفسیر میں یہ فرمایا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ تم کو آزمانا چاہتا ہے اور دیکھنا چاہتا ہے کہ تم میں سے کون ٹھیک اور خالص عمل بجا لاتا ہے"

حاضرین نے دریافت کیا ٹھیک اور خالص عمل کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ:

ان العمل اذا کان خالصا ولم یکن صوابا لم یقبل و اذا کان صوابا و لم یکن خالصا لم یقبل حتی یکون خالصا وصوابا والخالص ان یکون للہ والصواب ان یکون علی السنۃ	جب کوئی عمل خالص ہو لیکن ٹھیک نہ ہو تو وہ مقبول نہیں ہوتا، اسی طرح اگر ٹھیک ہو لیکن خالص نہ ہو تو بھی مقبول نہیں ہوتا۔ جو عمل خالص بھی ہو اور ٹھیک بھی ہو، وہی مقبول ہوتا ہے اور خالص عمل وہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے اور ٹھیک وہ ہے جو سنت کے طریقہ پر کیا جائے۔

اس لیے میں نے ٹھیک اور خالص کی شرط لگائی ہے۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ عَمَلِیْ کُلَّہٗ صَالِحًا وَّ اجْعَلْہُ لِوَجْھِکَ خَالِصًا وَّلَا تَجْعَلْ لِاَحَدٍ فِیْہِ شَیْئًا	یا اللہ! میرے تمام اعمال نیک اور اپنے لیے خالص بنا دے اور ان اعمال میں کسی قسم کی برائی اور بدعملی کا دخل نہ ہونے دے۔

نوٹ:۔ توبہ کی مفصل بحث کسی دوسری جگہ درج ہے۔

مغفرت کا یقینی ذریعہ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اپنے آپ کو عاجز جانتا ہے اور اس لیے وہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے اور مغفرت طلب کرتا ہے مگر اس گناہ کو چھوڑتا نہیں تو ایسے شخص کے لیے مغفرت یقینی نہیں کیونکہ اس کی حیثیت تائب کی نہیں بلکہ ایک ایسے سائل اور دعا کرنے والے کی ہے جو گناہ سے بخشش تو مانگتا ہے مگر اس سے توبہ نہیں کرتا۔ اس کی بابت صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث موجود ہے:

ما من داع یدعو بدعوۃ لیس فیھا اثم ولا قطیعۃ رحم الا کان بین احدی ثلث اما ان یعجل لہ دعوتہ و اما ان یدخر لہ من الجزاء مثلھا و اما ان یصرف عنہ من الشر مثلھا قالوا یا رسول اللہ اذا نکثر	جو شخص کوئی ایسی دعا کرے اور کسی ایسی چیز کا سوال کرے جس کا حصول گناہ اور قطع رحم نہیں تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سلوک ہوتا ہے کہ یا تو بعینہٖ اس کا سوال منظور کر لیا جاتا ہے یا آخرت میں اس کو جزا دی جاتی ہے یا وہ اس دعا کی بدولت کسی شر اور مصیبت سے محفوظ رہتا ہے۔ صحابہؓ نے کہا،

Marfat.com

قال اللہ اکثر	اللہ کے رسولؐ ہم زیادہ دعائیں کیا
----------	کریں، آپؐ نے فرمایا اللہ کے پاس
----------	بہت زیادہ ہے۔

الغرض اسی طرح بغیر سچی توبہ کے مغفرت طلب کرنا ایک دعا ہے جو عام دعاؤں کی طرح بموجب حدیثِ مذکورہ بالا کے خیر و برکت کا موجب ضرور ہے لیکن ضروری نہیں کہ اس کو مغفرت دی جائے۔ مغفرت تبھی حاصل ہو سکتی ہے جب سچی توبہ ہو۔

پس اس سے تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ بعض علماء کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ گناہ پر مداومت کرنے کے باوجود مغفرت طلب کرنا جھوٹوں کی توبہ ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص اس کو توبہ سمجھتا ہے تو بے شک وہ جھوٹا ہے کیونکہ کوئی شخص تائب نہیں کہلا سکتا جب تک وہ گناہ کو ترک نہ کر دے۔ توبہ اور گناہ پر اصرار دونوں ضدیں ہیں۔

Marfat.com

گناہوں کا استحضار اور مقبولیّتِ توبہ

ترک اور ارتکابِ گناہ سائل نے اپنے سوال میں یہ بھی دریافت کیا ہے کہ کیا کسی ایک گناہ کا اعتراف کر لینا اور اس سے تائب ہو جانا اس تمام عقوبت سے محفوظ رہنے کا موجب ہو سکتا ہے جس کا وہ متعدد گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے مستوجب ہے یا تمام گناہوں کا استحضار ضروری ہے؟ اس کا جواب چند اصولوں پر مبنی ہے۔

پہلا اصول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایک گناہ سے سچی توبہ کر لے اور دوسرے کے ارتکاب میں مشغول رہے۔ تب بھی یہ توبہ مقبول ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ابھی صرف ایک ہی گناہ کا تقاضا توبہ کے لیے زیادہ قوی تھا یا گناہ کا ایک ہی مانع زیادہ شدید تھا، اہل سنت کے سلف اور خلف کا یہی قول مشہور ہے۔ لیکن ابو ہاشم معتزلی اور متکلمین کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ:

"اس قسم کی توبہ صحیح نہیں، کیونکہ تائب نے دوسرے ذنوب ترک نہیں کیے اور اس کی توبہ کا محرک اور باعث اگر خدائے تعالیٰ کا ڈر اور خشیت ہوتی جس کے بغیر توبہ درست نہیں ہو سکتی، تو وہ دوسرے ذنوب میں مشغول نہیں رہ سکتا، اس لیے کہ خدائے تعالیٰ کا ڈر سب گناہوں سے یکساں طور پر روکتا ہے۔"

قاضی ابو یعلیٰ اور ابن عقیل نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہی قول نقل کیا

Marfat.com

ہے لیکن امام احمدؒ کا مشہور قول پہلے قول کے مطابق ہے اور سلف میں سے کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔

ابو ہاشم کی دلیل کا جواب ابو ہاشم وغیرہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات کسی ایک گناہ کی شدید قباحت انسان کے دل نشین ہو جاتی ہے اور دوسرے گناہوں کی قباحت کا تصور اس کے دل میں اتنا شدید نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ اس ایک گناہ سے تائب ہوتا ہے اور دوسرے گناہوں کے ارتکاب سے باز نہیں رہتا۔ اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہے کہ کوئی شخص بعض فرائض تو بجالائے لیکن بعض دوسرے فرائض کا تارک ہو اور اس میں شک نہیں کہ دوسرے فرائض کا ترک کرنا اس کے لیے پہلے فرائض کی مقبولیت سے مانع نہیں، جن کو وہ بجالاتا ہے، نیز ممکن ہے کہ ایک ہی فریضہ دیگر فرائض کی بجاآوری کا موجب بن جائے۔

معتزلہ اور اہل کبائر مگر معتزلہؒ نے اپنے نزدیک ایک فاسد اصول مقرر کر رکھا ہے جس کو انہوں نے خارجیوں سے اخذ کیا ہے کہ وہ کافر اور گنہگار میں فرق نہیں کرتے اور کہتے ہیں:

ان اصحاب الکبائر یخلدون	کبائر کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں
فی النار ولا یخرجون	رہے گا اور اس کے حق میں کوئی
منها بشفاعة ولا غیرها	شفاعت وغیرہ کارگر نہیں ہو سکتی

ان کے نزدیک یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ عذاب دے اور پھر اس کو جنت میں داخل کرے اور اپنی رحمت اور عنایات کا مورد بنائے کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ:

یقولون بحبوط جمیع	کبیرہ کے ارتکاب سے تمام نیکیاں
الحسنات بالکبیرة	برباد ہو جاتی ہیں۔

Marfat.com

سلف کا اعتقاد لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہل سنت والجماعت کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اہل کبائر جنت میں داخل ہو سکتے ہیں ان کے حق میں شفاعت قبول ہو سکتی ہے اور کبیرہ کا ارتکاب تمام نیکیوں کو برباد نہیں کرتا۔ تمام نیکیاں صرف کفر سے برباد ہوتی ہیں جیسے کہ تمام برائیاں توبہ سے زائل ہو سکتی ہیں اور کبیرہ کا مرتکب اگر صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے نیکیاں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ان اعمال صالحہ کی جزا دے گا اگرچہ وہ ارتکاب کبیرہ کی وجہ سے عذاب کا بھی مستوجب ہے۔ قرآن کریم میں زانی، سارق اور قاتل کو بلحاظِ احکامِ شرعیہ کافر سے الگ صنف قرار دیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات متواتر طور پر منقول ہے اور جس پر صحابہ کرامؓ نے اجماع کیا، وہ اسی قول کی تائید میں ہے۔ جیسا کہ کسی دوسری جگہ بالتفصیل بیان ہے۔

قبولیتِ اعمال اور اتقاء انہی اقوال کی بنا پر اس آیت شریفہ کی تفسیر میں مختلف اقوال مروی ہیں کہ:

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ○ (المائدۃ: ۲۷)	بیشک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے اعمال ہی قبول فرماتا ہے۔

خوارج اور معتزلہ کا یہ قول ہے کہ:

"کوئی نیکی بارگاہِ کبریا تعالیٰ وتقدس میں قبولیت کا درجہ حاصل نہیں کرتی جب تک اس کا کرنے والا کامل متقی نہیں۔ یعنی کسی کبیرہ کا مرتکب نہ ہو"

مرجیہ کہتے ہیں:

"متقی وہ ہے جو شرک سے اجتناب کرے۔ ان کے نزدیک اہل کبائر بھی متقی کے مفہوم سے باہر نہیں"

Marfat.com

لیکن اہل سنت والجماعت کی تحقیق یہ ہے کہ:

"ایک ایسا عمل اللہ تعالےٰ کے نزدیک مقبول ہے جس کے کرنے میں تقوےٰ کے مفہوم پر عمل کیا گیا ہو یعنی اس کا وہ عمل اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی تعمیل کے موافق ہے اور اس کے کرنے کی غرض محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے سوا کچھ نہ ہو۔

الغرض جو کوئی کسی عمل صالح کے بجالانے کے دوران میں اس عمل کے متعلق متقی ہے وہ عمل اس کا مقبول ہے چاہے کسی دوسرے عمل کے لحاظ سے وہ غیر متقی ہو لیکن اگر اس نے کسی نیکی کے کرنے میں تقوےٰ کے مفہوم پر عمل نہیں کیا تو وہ عمل اس کا مقبول نہیں، چاہے وہ دوسرے امور میں اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار ہو۔"

خلاصہ یہ ہے کہ کسی ایک گناہ کی توبہ بھی مقبول ہے خواہ دوسرے گناہ کا مرتکب بنا رہے۔

مقبولیت کے لیے ایمان ناگزیر ہے البتہ ایمان کا وجود سب اعمال کی مقبولیت کے لیے ناگزیر شرط ہے۔ کلام مجید میں ہے:

وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۱۹)	جو شخص آخرت کا طالب ہے اور اس کے لیے اس کے مناسب حال کوشش بھی کرتا ہے تو ایسے لوگوں کی کوشش ضرور ٹھکانے لگے گی، بشرطیکہ وہ مومن ہوں۔

اسی طرح یہ آیت پہلے گزر چکی ہے کہ،

وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ ...	جس مومن مرد یا عورت نے نیک اعمال کیے، پس ایسے لوگ جنت

Marfat.com

مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝

میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

الغرض قرآنِ کریم کی آیات کے تتبع سے تم کو معلوم ہو گا کہ جا بجا اعمالِ صالحہ کی مقبولیت اور ان پر جزا ملنے کے لیے ایمان کی شرط لگائی گئی ہے اور کفر کو تمام نیکیوں کا برباد کرنے والا قرار دیا ہے۔ کلامِ مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۱۷)

جو کوئی تم سے اپنے دین سے پھر جائے اور پھر وہ کافر ہو کر مرے تو اس کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے اور یہ لوگ دوزخ میں داخل ہو کر اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

بخشش بوجہ قبولِ اسلام دوسرا اصول یہ ہے کہ جو شخص متعدد گناہوں کا مرتکب ہے تو اگر وہ بعض گناہوں سے تائب ہو جائے اور دوسرے گناہوں پر مُصر رہے تو صرف اس کا وہی گناہ بخشا جائے گا جس سے اس نے توبہ کی اس کے دوسرے گناہوں کا وہی حکم ہے جو غیر تائب کا ہوتا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے، اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ البتہ ایک شخص جو پہلے کافر تھا اور اب مسلمان ہو گیا ہے اس کی بابت اختلاف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کفر کی حالت میں اس نے جتنے گناہ کیے تھے وہ سب بخشے گئے۔ کلام پاک میں ہے:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (الانفال: ۳۸)

کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ باز آجائیں تو ان کے گزشتہ گناہ بخشے جائیں گے۔

Marfat.com

صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ:

اَلْاِسْلَامُ یَہْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَہٗ	اسلام قبول کرنے سے کفر کی سابقہ عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔

ترکِ ارتکاب پر جزا لیکن بعض دوسرے علماء کا یہ قول ہے کہ اسلام کی بدولت صرف وہی گناہ بخشے جاتے ہیں جن کا ارتکاب اس نے ترک کر دیا ہے۔ برخلاف اس کے جن کبائر کا وہ بعد از اسلام بھی ارتکاب کر رہا ہے ان کی بابت اس کا وہی حکم ہے جو دوسرے مرتکبین کبائر کا ہے۔ اصولِ شرعیہ اور قرآن و حدیث کے نصوص یعنی تصریحات اسی قول کی تائید میں ہیں اور آیت قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا جس سے استدلال کیا گیا ہے اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ:

"جن گناہوں کے ارتکاب سے وہ باز آجائیں تو اس سے پہلے ان گناہوں کا جتنا بھی انہوں نے ارتکاب کیا ہے وہ معاف کیا جائیگا"

محاورہ بھی یہی ہے کہ کسی سے کہا جائے اگر تم باز آجاؤ تو تمہارا گزشتہ قصور معاف کر دیا جائے گا تو اس کے بلاشک و شبہ یہی معنی ہوتے ہیں کہ اگر تم اس امر کو جس کا تم ارتکاب کرتے ہو، ترک کر دو تو گذشتہ ارتکاب کی بابت تم پر مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہوتے کہ تمہارے دوسرے گناہ اور دوسری تقصیریں بھی معاف کر دی جائیں گی۔

اعمالِ جاہلیت کا مواخذہ صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ حکیم بن حزامؓ نے آپؐ سے استفسار کیا کہ جو اعمال ہم نے جاہلیت میں کیے تھے کیا ان کی بابت بھی ہم پر مواخذہ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا:

من احسن منکم فی	جس نے اسلام میں اپنی حالت کو

Marfat.com

الاسلام لم یؤاخذ بما عمل فی الجاھلیۃ ومن اساء فی الاسلام اخذ فی الاول والاٰخر	اچھا بنالیا اس پر اعمال جاہلیت کی بابت کچھ مواخذہ نہیں ہوگا لیکن جس نے اسلام کی حالت میں بھی برائیاں کیں۔ اس پر اگلے پچھلے گناہوں کا مواخذہ ہوگا۔

اس حدیث نے نہایت صاف الفاظ میں مؤخرالذکر قول کے حق میں فیصلہ فرمادیا ہے الاسلام یھدم ماکان قبلہ میں چونکہ ایک گونہ اجمال ہے، اس لیے اس حدیث کو اس کے لیے بمنزلہ تفسیر اور بیان کے سمجھنا چاہیئے۔

توبۂ مطلق اور توبۂ عام وخاص

غفران الذنوب کلّھم تیسرا اصول یہ ہے کہ بعض اوقات انسان خاص خاص گناہوں کا استحضار کرتا ہے یعنی اپنے دل میں ان کا تصور باندھتا اور ان سے تائب ہوتا ہے اور بعض اوقات مطلق توبہ کرتا ہے مگر ذنوب کا استحضار کچھ بھی نہیں کرتا بلکہ اس کی نیت عام گناہوں سے توبہ کرنے کی ہوتی ہے۔ کیونکہ عام گناہوں سے تائب ہونے اور عام توبہ کے یہ معنی ہیں کہ اس نے اس بات کا پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ وہ ہر ایک مامور کو عمل میں لائے اور ہر ایک ممنوع اور منہی عنہ کو چھوڑ دے اور اس کے ضمن میں تمام گناہوں کے متعلق ایک عام ندامت[1] پائی جاتی ہے، جیسا کہ مسند

[1] ندامت کی مختلف اقسام بیان کرکے اعتقادات، ارادات اور آلام کے ایذاء لذات وحظوظ مانند غم وحزن اور فرح وسرور جو نفسِ انسانی کو لاحق ہوتے ہیں، اس کا احساس کرایا جاتا ہے جو ترک کردیا ہے۔

Marfat.com

میں ابن مسعودؓ کی ایک روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الندم توبۃ | ندامت بھی ایک قسم کی توبہ ہے۔

جب ظاہر ہو جائے کہ تائب جو عام توبہ کرتا ہے تو ایسی توبہ سے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں، اگرچہ ہر ایک گناہ کا جداگانہ تصور ذہن میں نہ ہو لیکن اگر اس عام توبہ کے خلاف واقع ہوگی تو توبہ خاص کہلائے گی۔

کونسا گناہ عام توبہ سے نہیں بخشا جاتا | البتہ اگر کوئی ایسا گناہ ہے کہ اگر وہ اس کے ذہن میں مستحضر بھی ہو جاتا تو وہ اس سے تائب نہ ہوتا کیونکہ اس گناہ کے چھوڑنے کی بابت ابھی اس کے دل میں عزیمتِ راسخہ پیدا نہیں ہوئی جو اس کو آمادہ عمل کرے یا کوئی ایک ایسا گناہ ہے جس کو بزعم خود قبیح سمجھتا ہی نہیں تو اس قسم کا گناہ عام توبہ کے ضمن میں نہیں آتا اور جب تک خصوصیت کے ساتھ اس گناہ سے توبہ نہ کرے، اس کے بخشے جانے کی یقینی توقع نہیں کی جاسکتی کیونکہ یقینی مغفرت کا ذریعہ صرف توبۂ مقبولہ ہے اور بس۔

عام توبہ اور مجمل توبہ | لیکن اگر کوئی شخص ہر ایک گناہ سے توبہ کرنے کا التزام نہیں کرتا مگر کسی گناہ کی تخصیص بھی نہیں کرتا تو اس قسم کی توبہ "توبۂ مجمل" کہلاتی ہے اور اس کے مفہوم میں سب گناہ داخل نہیں سمجھے جاتے اور اس لیے وہ عام مغفرت کا موجب بھی نہیں قرار دی جاسکتی، توبہ عامہ اور توبہ مجمل کا فرق ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ کیوں کہ ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے۔

صفتِ حقائقِ ایمانیہ | اکثر لوگ توبہ کرتے وقت (خواہ ان کی توبہ عام بھی ہو) فقط بعض فحش گناہوں کا استحضار کرتے ہیں یا ہاتھ اور زبان سے صادر شدہ گناہ ان کے پیش نظر ہوتے ہیں حالانکہ وہ ظاہر یا باطن میں ایسے مامورِ شرعی کا تارک ہوتا ہے جس کا بجالانا اس پر فرض ہے اور وہ حقائقِ ایمانیہ کا ایک ایسا اہم شعبہ ہوتا ہے

Marfat.com

جس کا ترک کرنا ان فواحش کے ارتکاب سے بہت زیادہ مضمر ہوتا ہے، جن کا تصور اس کے ذہن میں ہے، اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ جن حقائق ایمانیہ کے ساتھ موصوف ہونے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جن کی بدولت انسان سچے مومنوں کے زمرہ میں داخل ہوتا ہے وہ بعض ظاہری گناہوں کے ترک کر دینے سے بہت زیادہ نافع ہوتا ہے۔

اللہ اور رسول کی محبت مثلاً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی محبت سے دل کو معمور رکھنا اعمال حسنہ کی عظیم ترین نیکی ہے۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک صحابی تھا جو حمار کے لقب سے مشہور تھا۔ وہ اکثر شراب پیا کرتا تھا چنانچہ کئی مرتبہ اس کو شراب پیتے پکڑا بھی گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شراب نوشی کی سزا دی۔ ایک شخص نے اس کی یہ حالت دیکھ کر کہا کہ:

"اس پر خدا کی لعنت ہو، کتنی دفعہ سزایاب ہوا، پھر بھی اپنی کرتوت سے باز نہیں آتا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

لا تلعنه فانه يحب	اس پر لعنت نہ کرو، وہ اللہ اور
الله و رسوله	اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے

تم جانتے ہو کہ شراب کے پینے والے اور نچوڑنے والے پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے لیکن ایک ایسے شخص پر جو پکا مے نوش ہے، صرف اس کے لیے لعنت بھیجنے سے منع فرمایا کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت موجود ہے۔

اسی طرح جو آیتیں اور حدیثیں مطلق تکفیر اور مطلق وعید کے مضمون پر مشتمل ہیں وہ بعض شرائط کے ہونے اور بعض موانع کے نہ ہونے کے ساتھ مشروط

Marfat.com

ہیں۔ مثلاً جو شخص کسی گناہ سے تائب ہو جائے اس کے لیے وعید نہیں۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے، یا مثلاً جس شخص کی نیکیاں اس قدر زیادہ ہوں کہ اس کے گناہوں کو مٹا دینے کے لیے کافی ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔

عقوبت ٹل جانے کے اسباب جن گناہوں کے ارتکاب پر دوزخ کی سزا مقرر ہے۔ اس عقوبت کے ٹل جانے کے متعدد اسباب ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں

سچی توبہ ——— کثرتِ اعمالِ صالحہ ——— اس دنیا کے مصائب اور شدائد میں مبتلا ہونا ——— برزخ اور میدان قیامت کی سختیاں نیز مومنوں کی دعا ——— اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت

یہ سب ایسے اسباب ہیں جو اعمالِ سیئہ کی کفارت کا باعث اور خدا کی مغفرت کا موجب ہوتے ہیں۔

بہرکیف اگر توبہ کسی خاص گناہ سے کی گئی ہے "یا توبہ مجمل" ہے تو اس سے عام مغفرت کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، برخلاف اس کے "توبہ عامہ" سے سب گناہ بخشے جاتے ہیں لیکن اکثر لوگ توبہ عامہ نہیں کرتے، حالانکہ ہر ایک شخص کو اس کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص کم و بیش مامورات شرعیہ کے بجا لانے میں کوتاہی کرتا ہے اور بعض منہیات کا ظاہر یا باطن میں مرتکب ہوتا ہے، اس لیے ہر ایک شخص پر ہر ایک حالت میں توبہ کرنا لازم ہے۔ کلام پاک میں ہے،

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (النور: ۳۱)	اے مومنو! تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتے ہوئے پھر آؤ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم فلاح پاؤ گے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ سے تعلّق جوڑنے کا طریقہ

مفہومِ توحیدِ ربوبیت سائل کا آخری استفسار یہ ہے کہ اس میں کیا راز ہے کہ مصیبت تب دور ہوتی ہے جبکہ آدمی تمام لوگوں سے اپنی امید کا رشتہ منقطع کرے اور مخلوقات سے اپنی امید قطع کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ جوڑنے کی تدبیر کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی تدبیر توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ الوہیت دونوں قسم کی توحید پر ثابت قدم رہنا ہے۔ توحیدِ ربوبیت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ کو تمام اشیاء کا خالق اعتقاد کرے اور یہ کہ اس کے بغیر کوئی بھی قدرت نہیں رکھتا کہ کوئی بات باستقلال اس سے ظہور میں آئے، بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہو سکتا، اس لیے سوائے اللہ تعالیٰ کے جو کوئی بھی ہو اگر بالفرض کسی بات کے ظہور میں آنے کا اس کو سبب مانا جائے، تب بھی وہ اس کے انجام دینے میں کسی معاون کا بالضرور محتاج ہوگا اور لامحالہ اس کا کوئی ایسا ضد اور شریک بھی ہوگا جو اس کو اپنے ارادے کی تنفیذ سے روک سکے، اس لیے اپنی مرادیں اور اپنی حاجتیں صرف اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہیے۔

افعالِ اختیاریہ میں عجزِ انسانی سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسروں کی بے بسی کی تو یہ کیفیت ہے کہ جو افعالِ اختیاریہ کہلاتے ہیں ان کے کرنے میں بھی انسان مستقل نہیں بلکہ سراسر اللہ تعالیٰ کی اعانت کا محتاج ہے۔ جب تک وہ اس کے دل میں عزمِ راسخ

Marfat.com

پیدا نہ کرے، جو انسان کو آمادۂ عمل کرتا ہے اور بعد ازاں اس کے اعضاء اور جوارح میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ قدرت موجود نہ ہو جو حدوثِ فعل کے لیے شرط ہے۔ اس وقت تک کسی فعل کا ظہور میں آنا ناممکن ہے اس لیے یہ کہنا کہ:

مَا شَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَ مَا لَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ	اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے سو ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ کبھی نہیں ہو سکتا

اپنے وسیع ترین معنوں میں بالکل درست ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

لِمَنْ شَآءَ مِنْکُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ (التکویر: ۲۸، ۲۹)	یہ تم میں سے اس شخص کے لیے ہے جو راست روی چاہتا ہے۔ تم نہیں چاہو گے مگر جب اللہ چاہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا یُدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِہٖ ط وَ الظّٰلِمِیْنَ اَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا (الدھر، ۲۹ تا ۳۱)	جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرے تم کچھ نہیں چاہو گے مگر جب اللہ تعالیٰ چاہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے اور ظالموں کے لیے دردناک والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

سب سے بڑی ذلت جو شخص اپنے جیسی مخلوق سے کسی مراد کا طالب ہے وہ ایک عاجز کے سامنے دستِ نیاز پھیلا کر اپنے آپ کو مفت میں ذلیل کرتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے،

Marfat.com

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ (الاعراف: ۱۹۴)	بے شک جن کو تم اپنا حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح خدا کے محتاج بندے ہیں۔

یہ ایک ایسا شرک ہے جس کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرماتا۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النسآء: ۴۸: ۱۱۶)	بے شک جس کسی نے شرک کیا، اللہ تعالیٰ اسے ہرگز نہیں بخشے گا۔ ہاں اس کے سوائے جسے چاہے گا بخش دے گا۔

عرفانِ الوہیت دوسری تدبیر توحیدِ الوہیت کی حقیقت پر کاربند ہونا ہے جس کا مفہوم پہلے بھی بیان ہو چکا ہے یعنی صرف اللہ تعالیٰ سے کامل محبت رکھنا، اسی کا حکم ماننا، اسی کی ذات پر بھروسہ کرنا، اپنی بیم و امید کا مرکز اسی کو قرار دینا، اسی سے اپنی حاجتوں کے لیے سوال کرنا اور اسی کے آگے سر جھکانا وغیرہ وغیرہ۔

اب اگر کوئی شخص دونوں قسم کی توحید پر ثابت قدم رہے تو زہے سعادت! یہ شخص دنیا اور آخرت میں نہایت خوش قسمت انسان ہے ——— لیکن اگر وہ اس قسم کا آدمی ہے، جس کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ:

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِہٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْہُ ضُرَّہٗ مَرَّ کَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَآ اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّہٗ (یونس: ۱۲)	جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لیٹے ہوئے اور بیٹھے اور کھڑے ہمیں پکارتا ہے لیکن جب ہم اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح گزرا چلا جاتا ہے گویا اس نے کبھی کسی تکلیف کو دور کرنے کے لیے

Marfat.com

---------- | ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔

یا وہ ان اشخاص میں سے ہو جس کا بیان اس آیت میں ہے:

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝	جب تمہیں سمندر میں تکلیف پیش آتی ہے تو جن کو تم پکارا کرتے ہو، وہ سب بھول جاتے ہیں اور صرف خدا کی طرف رجوع کرتے ہو لیکن جب وہ تم کو نجات دے کر خشکی پر لاتا ہے تو تم روگردانی کرتے ہو۔ اور انسان ہے ہی روگردانی کرنے والا۔

(بنی اسرائیل: ۶۷)

ایسے آدمیوں کے لیے ان کا اعترافِ توحید ایک حجت ہے جو قیامت کے دن ان کے برخلاف فیصلہ دلانے کا موجب ثابت ہوگی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ان مشرکین کو جو صرف توحیدِ ربوبیت کے قائل تھے اور توحیدِ الوہیت کے مقتضا پر عمل پیرا نہیں تھے، ان کے اپنے اقرار اور تسلیم کی وجہ سے انہیں جھوٹا ٹھہرایا جائے گا۔ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا	(اے نبیؐ! ان منکروں سے) پوچھیے اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ کہ زمین اور تمام مخلوقات جو اس میں ہے کس کے لیے ہے؟ وہ فوراً کہیں گے، اللہ کے لیے۔ پھر آپ فرمائیں، کیا تم غور نہیں کرتے؟ آپ ان سے پوچھیں وہ کون ہے جو سارے آسمانوں کا

Marfat.com

تَتَّقُوْنَ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ

(المومنون: ۸۴ تا ۸۹)

پروردگار ہے اور جہانداری کے عرشِ عظیم کا مالک ہے؟ وہ کہیں گے یہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے۔ پھر آپ فرمائیں تمہیں کیا ہوگیا کہ شرک کے نتیجہ سے نہیں ڈرتے، آپ ان سے پھر پوچھیں وہ کون ہے جس کے قبضہ میں تمام چیزوں کی بادشاہی ہے اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور کوئی نہیں جو اس کے اوپر پناہ دینے والا ہو، وہ کہیں گے یہ صفتیں تو اللہ ہی کے لیے ہیں، آپ فرمائیں، پھر تم پر کون سا جادو کیا گیا ہے کہ راہِ حق سے منحرف ہوئے جاتے ہو؟

اور فرمایا:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ

(العنکبوت: ۶۱)

اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مطیع بنایا تو وہ ضرور اس کے جواب میں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا۔ کہدو! کہ پھر تم کیوں پھرے جاتے ہو؟[1]

---

[1] یعنی توحیدِ ربوبیت کا اعتراف کرتے ہوئے کیوں توحید الوہیت پر عمل پیرا نہیں ہوتے حالانکہ یہ دونوں لازم ملزوم ہیں

Marfat.com

الغرض قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ مضمون دوہرایا گیا ہے۔

نزولِ مصائب، نعمتِ عظمیٰ حقیقت میں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں پہ مصائب اور شدائد نازل فرماتا ہے، جن کی بدولت وہ توحید پر مائل ہونے اور خاص اللہ تعالیٰ کو پکارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس حالت میں ان کی بیم و امید کا مرجع اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہوتی ہے۔ ان کے دلوں میں توکل اور انابت پیدا ہوتی اور شرک سے بیزار ہو کر ان کے قلوب نورِ ایمان کے ساتھ معمور ہوتے ہیں اور یہ ایک نعمتِ عظمیٰ ہے جو مرض اور خوف کے زوال اور فراخیٔ رزق کے حصول سے بدرجہا بڑھ کر ہے کیونکہ مرض اور مصیبت کا زوال اور فراخیٔ رزق وغیرہ جسمانی راحتیں اور دنیاوی خوشیاں ہیں جو کافروں کو چند روزہ حاصل ہوتی ہیں لیکن ان سے بدرجہا بہتر وہ توحیدِ خالص ہے جو ایک ابدی سعادت ہے اور لذت و حلاوت جو مخلص موحدین کو اس سے حاصل ہوتی ہے، اس کا لفظوں میں اظہار کرنا دشوار ہے۔ ہر ایک مومن موحد کو بقدر اس کے ایمان اور درجہ توحید کے اس سے حصہ ملتا ہے، اسی بنا پر سلف صالحین میں سے کسی ایک نے کہا ہے کہ:

يَا ابْنَ اٰدَمَ لَقَدْ بُوْرِكَ لَكَ حَاجَةٌ اَكْثَرْتَ فِيْهَا مِنْ قَرْعِ بَابِ سَيِّدِكَ	اے بنی آدم! تمہیں تمہارا محتاج ہونا مبارک ہو۔ اس تقریب سے تم کو اپنے مولائے کریم کا دروازہ کھٹکھٹانے کی سعادت حاصل ہوگی۔

ہجومِ مشکلات اور حلاوتِ مناجات ایک شیخِ طریقت کا قول ہے کہ:

"بعض اوقات مجھے کوئی مشکل پیش آتی ہے جس کے رفع ہونے کے لیے بارگاہِ الٰہی تعالیٰ شانہٗ میں ملتجی ہوتا ہوں۔ اس اثنا میں مجھ کو وہ حلاوت مناجات میں حاصل ہوتی ہے کہ میں نہیں چاہتا

Marfat.com

کہ میری حاجت جلد پوری ہو۔ ڈر یہ ہوتا ہے کہ پھر میرا نفس اس خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرے گا، کیوں کہ نفس ہمیشہ اپنے حظوظ کا خواہش مند ہوتا ہے اور اگر اس کی حاجت پوری ہو جائے تو پھر کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔"

خاتمۂ کتاب

بعض کتب سابقہ میں آیا ہے کہ،

یا ابن آدم البلاء یجمع بینی و بینک و العافیۃ تجمع بینک و بین نفسک

[1] اے آدم کے بیٹے! مصیبت میں تمہارا تعلق میرے ساتھ ہو جاتا ہے اور عافیت میں تمہارا تعلق اپنے نفس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے اور ہر ایک سچا مومن اپنے باطن میں اس حلاوتِ ایمان کا ادراک کر سکتا ہے۔ لیکن یہ اور بات ہے کہ کسی میں ایمانی ذوق اور وجدان کی کمی ہو۔ کیوں کہ وہ حالت جو صاحبِ ایمان کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ پاتا ہے، اس کا دل خالص اللہ تعالیٰ کی محبت سے معمور ہوتا ہے، اس کا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک پر ہوتا ہے، اس

[1] کاش انسان کو اس حالت پر ثابت قدم رہنا نصیب ہوتا لیکن یہاں تو یہ کیفیت ہے کہ ادھر سختی اور تکلیف دور ہوئی ادھر توحید کافور ہوئی۔ فَاللّٰهُ هُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ

Marfat.com

کا حُبّ اور بغض کسی اور کے لیے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اور اس کی امید و بیم کا مرجع اسی کی ذاتِ پاک ہوتی ہے۔ وہ خاص اسی کی عبادت کرتا ہے اور فقط اس سے توفیق اور اعانت کا خواہاں ہوتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے کچھ بھی ارادہ نہیں کرتا، بلکہ اس نے اپنا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی مرضی میں فنا کر دیا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جس کا صرف ذوق اور وجدان ہی سے ادراک ہو سکتا ہے ؏

ذوقِ ایں مے نشناسی بخدا تا نہ چشی !

ہر ایک مومن کو اس کا کم و بیش حصہ عنایت ہوا ہے اور یہ دینِ اسلام کی وہ حقیقت ہے، جس کی اشاعت کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو بھیجا اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں اور قرآن کریم کی تعلیم کا مرکز و محور بھی یہی ہے۔

وَفَّقَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی لِذَالِکَ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَحُکْمُہٗ اَحْکَمُ

Marfat.com

مرکز الدعوة الاسلامیہ کی مطبوعات

- العبودیّة ——— شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ علیہ الرحمہ
- الفرقان ——— 〃 〃 〃 〃 〃 〃
- کتاب الکبائر ——— شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہاب علیہ الرحمہ
- اصولِ دین ——— 〃 〃 〃 〃 〃 〃
- فضل الاسلام ——— 〃 〃 〃 〃 〃 〃
- دین کے چار بنیادی اصول ——— 〃 〃 〃 〃 〃 〃
- فضائلِ قرآن ——— 〃 〃 〃 〃 〃 〃
- اصُولِ ایمان ——— 〃 〃 〃 〃 〃 〃
- الورد المصفّٰی المختار ——— المغفور جلالۃ الملک عبدالعزیز آلِ سعُود
- دعوت الی اللہ اور مبلغین کے اوصاف ——— سماحۃ الشیخ عبدالعزیز عبداللہ بن باز حفظہ اللہ
- حج و عمرۃ قرآن وسنت کے آئینے میں ——— 〃 〃 〃 〃
- عید میلاد النبیؐ کی شرعی حیثیت ——— 〃 〃 〃 〃
- احادیث قدسیّہ ——— دکتور عزالدین ابراہیم حفظہ اللہ
- حیاتِ صحابہؓ کے درخشاں پہلو ——— دکتور عبدالرحمان رافت الباشا
- سگریٹ نوشی ——— سماحۃ المفتی محمد ابراہیم حفظہ اللہ
- عقیدة طحاویّة ——— علامہ ابوجعفر الوراق الطحاوی حفظہ اللہ

مندرجہ بالا کتُب کا سلیس اُردو زبان میں ترجمہ **محمود احمد غضنفر کے قلم سے**

Marfat.com

تفسیر آیت کریمہ

شیخ الاسلام الامام ابن

516

لاہور پاکستان

Marfat.com